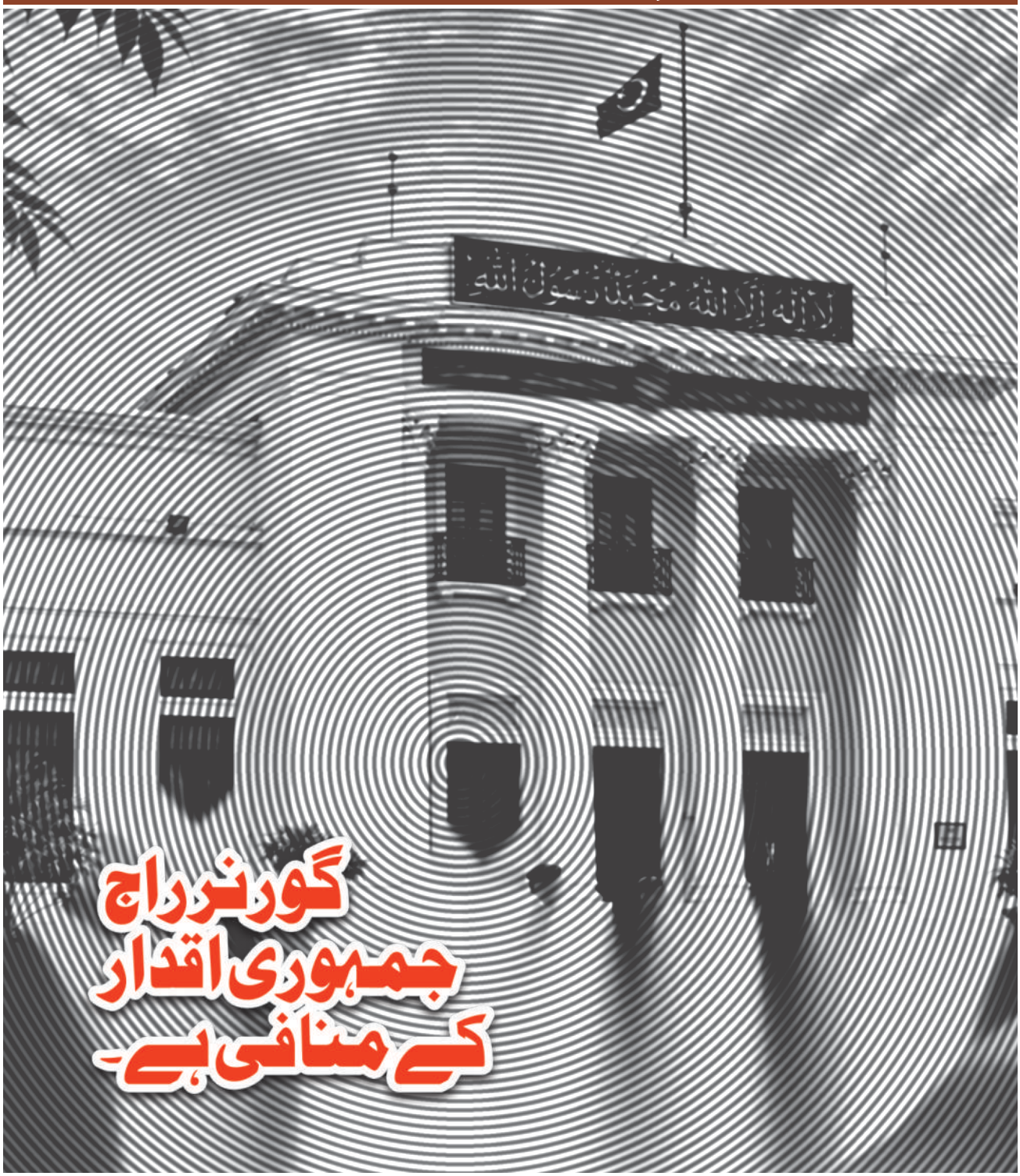
ماہنامہ
جہدِ حق
پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

ادارتی بورڈ
مدیر: ندیم عباس
اراکین: عدیل احمد،
اسرارالدین اسرار،
سمیتا عالم

Registered No. CPL-13

جلد نمبر 34... شمارہ نمبر 11... نومبر 2026



نوٹس: سالانہ عمومی اجلاس 2026

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کا 40 واں سالانہ اجلاسِ عام (اے جی ایم) اتوار 15 نومبر 2026 کو کمیشن کے سیکرٹریٹ 107 ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور میں منعقد ہوگا۔ وہ تمام ممبران جو اپنے واجبات ادا کر چکے ہیں اجلاس میں شرکت کے اور 29-2026 کی نئی کونسل کے انتخاب، جو اسی دن سیکریٹریٹ میں منعقد ہوگا، کے لیے ووٹ ڈالنے کے اہل ہیں۔

اپنی ممبرشپ کی صورتحال معلوم کرنے کے لیے، براہِ کرم hrcp@hrcp-web.org پر ای میل کریں یا رہنمائی کے لیے سیکرٹریٹ کے فون نمبرز 8341 3583 042، 4994 3586، یا 5969 3586پر رابطہ کریں۔

جو اراکین ایچ آر سی پی کے آئین/قواعد و ضوابط میں ترمیم کی تجاویز دینا چاہتے ہیں، وہ یہ نوٹس ملتے ہی جلد از جلد اور پیر 2 نومبر 2026 سے پہلے سیکرٹریٹ (hrcp@hrcp-web.org) کو ای میل کے ذریعے اپنی تجاویز ارسال کریں، تاکہ جنرل باڈی کو بروقت مطلع کیا جا سکے۔

ممبران اپنے اخراجات پر اجلاس میں شرکت کریں گے۔ سیکرٹریٹ لاہور سے باہر کے اراکین کو رہائش کے حصول میں مدد فراہم کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ پیر 9 نومبر 2026 تک مینیجر ایڈمنسٹریشن (محمد الیاس) کو فون نمبرز 8341 3583 042، 4994 3586، 5969 3586 پر مطلع کر دیں کہ انہیں کس قسم کی اور کتنے عرصے کے لیے رہائش درکار ہے۔

ایجنڈا: اتوار 15 نومبر 2026

08:30-09:30	رجسٹریشن / ریفریشمنٹ
09:00	پولنگ کا آغاز
09:30-09:45	ایجنڈے اور گذشتہ اے جی ایم کی کارروائی کی منظوری
09:45-10:45	علاقائی دفاتر سے مختصر رپورٹس (کوئٹہ، تربت، پشاور، لاہور، ملتان، کراچی، حیدر آباد، گلگت، اسلام آباد)
10:45-11:00	سیکرٹری جنرل کی رپورٹ
11:00-11:15	خزانچی کی رپورٹ، آڈٹ رپورٹ 2025 کی منظوری اور سال 2026 کے لیے آڈیٹر کا تقرر
11:15-11:45	ضمنی قوانین میں ترامیم
11:45-12:00	چیئر پرسن کا خطاب
12:00-13:00	عمومی بحث / اے جی ایم کے بیان کے لیے اراکین کی تجاویز
13:00-14:00	دوپہر کا کھانا
14:00-16:00	انسانی حقوق کے دفاع کاروں کا کنونشن: پاکستان میں سیاسی تنازعات اور ان کے انسانی حقوق پر اثرات
15:00	پولنگ کا اختتام
16:00-16:30	اے جی ایم کا بیان
16:30	چائے
	انتخابات کے نتائج کا اعلان
	عہدیداروں کے انتخاب کے لیے نومنتخب کونسل کا اجلاس

فہرست

پریس ریلیزیں 03

پناہ گاہ سے محرومی

2025-26 میں مذہب یا عقیدے کی آزادی 05

جیل کی دیواروں سے آگے 10

عاصمہ جہانگیر کی توہین

یا ہمارے اجتماعی ضمیر کا امتحان؟ 12

مصنوعی ذہانت اور انسانی حقوق 14

شہروں سے آگے صحت کی سہولیات 15

توہین مذہب کا مقدمہ حصول انصاف کا مقدمہ 16

امن وسلامتی کے امور میں خواتین

کی حیثیت مرکزی ہونی چاہئے 20

ایچ آر سی پی خیبر پختونخوا میں ایمرجنسی اور گورنر راج کے خاتمے کا مطالبہ کرتا ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) حکام کو خیبر پختونخوا میں ایمرجنسی اور گورنر راج نافذ کرنے کے خلاف سختی سے خبردار کیا تھا۔ دو ہفتے گزر جانے کے بعد، ہم ان اقدامات کی اپنی واضح مخالفت کو دہراتے ہیں۔ ہم جمہوری آزادیوں کی پامالی، صوبے کے ووٹروں کو ان کے حق سے محروم کرنا، بلا جواز اور امتناعی حراست، اور عام شہریوں پر سیکیورٹی اقدامات کے غیر متناسب اثرات پر تحفظات کا اظہار کرتے ہیں۔

خیبر پختونخوا کا ملک کا واحد اپوزیشن کی قیادت والا صوبہ ہونا اس مداخلت کو خاص طور پر تشویشناک بناتا ہے۔ اس کے منتخب چیف ایگزیکٹو کی حراست جمہوری اقدار کی سنگین توہین ہے، جبکہ دیگر منتخب نمائندوں اور سیاسی کارکنوں (بشمول پنجاب میں پی ٹی آئی کی خواتین کارکنان) کی گرفتاری، سیاسی سرگرمیوں پر وسیع پیمانے پر کریک ڈاؤن کی نشاندہی کرتی ہے۔

ایچ آر سی پی عسکریت پسندی اور دہشت گردی کی پرزور مذمت کرتا ہے۔ تاہم، دہشت گردی کے خلاف اقدامات کو قانون کے دائرے میں رہنا چاہیے اور انہیں اجتماعی سزا، بے جا طاقت کے استعمال یا بنیادی حقوق کی پامالی کا جواز نہیں بننا چاہیے۔ فوجی کارروائیوں سے عام شہریوں کے جانی نقصان اور بڑے پیمانے پر نقل مکانی کا خطرہ ہوتا ہے، جبکہ صرف طاقت کا استعمال پائیدار امن کے قیام میں بار ہا ناکام رہا ہے۔ اس کے بجائے، خیبر پختونخوا کے لوگوں کو اپنے سیاسی مستقبل کے فیصلے اور اپنے قدرتی وسائل، بشمول معدنیات، پانی اور زمین پر کنٹرول کا بااختیار حق ملنا چاہیے۔

احتیاطی اور غیر قانونی حراست کو اپوزیشن کو خاموش کرنے یا عدالتی تحفظات کو نظر انداز کرنے کا ذریعہ نہیں بننا چاہیے۔ حراست میں لیے گئے افراد کو ان کی گرفتاری کی وجوہات سے آگاہ کیا جانا چاہیے، ان کی وکلاء اور اہلِ خانہ تک رسائی ہونی چاہیے، اور انہیں قانونی طور پر مقررہ وقت کے اندر عدالت میں پیش کیا جانا چاہیے۔ صوبے میں مبہم حراستی مراکز کی تاریخ ان تحفظات کو مزید ضروری بناتی ہے۔

اگرچہ ابتدائی بندش کے بعد موبائل اور انٹرنیٹ سروسز بحال کر دی گئی ہیں، لیکن اس کے مکمل اثرات ابھی تک واضح نہیں ہیں۔ اس طرح کی رکاوٹیں معلومات تک رسائی کو محدود کرتی ہیں اور تعلیم، مواصلات اور روزگار کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ شمالی و جنوبی وزیرستان، بنوں اور میران شاہ میں کرفیو اور فوج کی تعیناتی سے عام زندگی مسلسل متاثر ہو رہی ہے۔ حکام کو ان پابندیوں کا جواز پیش کرنا چاہیے، شہریوں کی ہلاکتوں کے بارے میں معلومات عام کرنی چاہئیں اور بے گھر ہونے والے خاندانوں کے لیے مناسب امداد یقینی بنانی چاہیے۔

ایچ آر سی پی کو پشاور، سوات اور خیبر میں پی ٹی آئی کارکنوں کے گھروں پر پولس چھاپوں اور اجتماعات کو منتشر کرنے کی اطلاعات پر بھی تشویش ہے۔ باڑہ میں پولیس نے مبینہ طور پر 2,000 سے 4,000 افراد کے اجتماع پر لاٹھی چارج کیا۔ اگرچہ ان اطلاعات کی مزید تصدیق کی ضرورت ہے، لیکن مکمل معلومات کی غیر دستیابی کو خلاف ورزیوں کی عدم موجودگی نہیں سمجھا جانا چاہیے۔ پرامن اجتماع پر پابندیاں قانونی، ضروری اور متناسب ہونی چاہئیں، اور حراست میں موجود خواتین کے ساتھ ہونے والے سلوک کی تفتیش ہونی چاہیے۔

ایچ آر سی پی چیف ایگزیکٹو اور دیگر تمام بلا جواز حراست میں لیے گئے افراد کی فوری رہائی، ایمرجنسی اور گورنر راج کے خاتمے، اور صوبائی اسمبلی کی بحالی کا مطالبہ کرتا ہے۔ ہم حکومت اور پی ٹی آئی پر زور دیتے ہیں کہ وہ عسکریت پسندی سے نمٹنے، بنیادی حقوق کے تحفظ اور وسائل پر مقامی ملکیت کو یقینی بنانے کے لیے سول سوسائٹی کو شامل کرتے ہوئے جامع سیاسی مکالمہ دوبارہ شروع کریں۔ ریاست کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اتفاق رائے کے بجائے ایمرجنسی کے ذریعے حکومت کرنا پاکستان کی جمہوریت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتا ہے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 25 اکتوبر 2026]

ایچ آر سی پی کا جیلوں میں گنجائش سے زیادہ قیدیوں کے مسئلے کے حل کے لیے اصلاحات کا مطالبہ

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے پاکستان کی جیلوں میں گنجائش سے زائد قیدیوں کے دیرینہ مسئلے پر قابو پانے کے لیے فوری اور نظام سے متعلق اصلاحات کا مطالبہ کیا ہے۔ ایچ آر سی پی نے خبردار کیا ہے کہ یہ بحران محض نئی جیلیں تعمیر کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ہمارے نظامِ عدل کی شدید ناکامیوں کا مظہر ہے۔

ایچ آر سی پی کی طرف سے جاری کردہ پالیسی بیپر 'جیل کی دیواروں سے آگے: پاکستان کی جیلوں میں گنجائش سے زیادہ قیدیوں کی تعداد میں کمی کے لیے اصلاحات' میں نشان دہی کی گئی ہے کہ 2024ء کے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پاکستان کی جیلوں میں اصل گنجائش سے اوسطاً 152 فیصد زیادہ قیدی موجود تھے، جبکہ ہر چار میں سے تقریباً تین قیدی کے مقدمات زیرِ سماعت تھے۔ رپورٹ کے مطابق، اس حد سے زیادہ گنجائش کے قیدیوں کے حقوق پر سنگین اثرات مرتب ہوتے ہیں، جن میں صفائی اور علاج معالجے کی ناقص سہولیات، متعدی بیماریوں کا پھیلاؤ، ذہنی صحت کے مسائل، تشدد، اور قیدیوں کی اصلاح کے مواقع کا کم ہونا شامل ہے۔

اگرچہ حکومت نے نئی جیلوں کی تعمیر کو ایک پیش رفت قرار دیا ہے، تاہم ایچ آر سی پی کا مؤقف ہے کہ جیلوں کی گنجائش بڑھانے سے اس مسئلے کی بنیادی وجوہات ختم نہیں ہو سکتیں۔ ان وجوہات میں ضمانت کے غیر مؤثر قوانین، ٹرائل سے پہلے حراست پر حد سے زیادہ انحصار، طویل سماعتیں، پروبیشن اور پیرول کا محدود استعمال، اور معمولی جرائم میں ملوث ملزمان یا مجرمان کو قید میں رکھنا شامل ہے۔

ایچ آر سی پی قید کی بجائے آزادی، قیدیوں کی اصلاح اور متبادل سزاؤں پر مبنی بنیادی تبدیلی کا مطالبہ کرتا ہے۔ ضمانت کے قوانین کو بے گناہی کے مفروضے کے آئینی اصول سے ہم آہنگ کیا جانا چاہیے، اور پولیس و استغاثہ پر یہ ثابت کرنے کی ذمہ داری ہونی چاہیے کہ حراست کیوں ضروری ہے۔ عدالتوں کو چاہیے کہ وہ جسمانی رعدالتی ریمانڈ کے اختیارات کا استعمال احتیاط سے کریں اور حراست کی وجوہات بیان کریں، جبکہ قانونی تاخیر کو ضمانت کی بنیاد قرار دیتے ہوئے اس کا سختی سے اطلاق کیا جائے۔ حکومت کو آزادانہ پروسیکیوشن سروسز کو مضبوط بنانا ہوگا، مقدمات کے متبادل حل کے استعمال کو فروغ دینا ہوگا، اور پروبیشن اور پیرول کو عام قیدیوں کے لیے قابلِ رسائی بنانا ہوگا۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 06 اکتوبر 2026]

ایچ آر سی پی کی رپورٹ اقلیتوں کے لیے مساوی شہریت کے ریاستی عزم پر سوال اٹھاتی ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کی جانب سے جاری ہونے والی ایک رپورٹ میں 'نیشنل کمیشن فار مائنارٹیز ایکٹ 2025' کی منظوری اور پنجاب و بلوچستان میں شادی کی کم از کم عمر 18 سال مقرر کرنے کے لیے بچوں کی شادی کی روک تھام کے قوانین کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ تاہم، رپورٹ میں خبردار بھی کیا گیا ہے کہ مذہبی اقلیتوں کے تحفظ کی جانب یہ اہم اقدامات مذہب یا عقیدے کی آزادی کی مسلسل خلاف ورزیوں سے متصادم ہیں، جن میں توہینِ مذہب کے قوانین کا بطور ہتھیار استعمال، جبری شادیاں اور تبدیلی مذہب، بڑھتی ہوئی نفرت انگیز تقریر، اور مساوی شہریت کو یقینی بنانے میں ریاست کی ناکامی شامل ہے۔

اقلیتوں کے حقوق سے متعلق ایچ آر سی پی کی ساتویں سالانہ رپورٹ 'پناہ گاہ سے محرومی: 2025/26 میں مذہب یا عقیدے کی آزادی' میں نشاندہی کی گئی ہے کہ نیشنل کمیشن فار مائنارٹیز ایکٹ کی منظوری کے مہینوں بعد بھی اس پر عملدرآمد نہیں ہو سکا اور کمیشن کا قیام اب بھی عمل میں نہیں لایا گیا۔ دریں اثنا، توہینِ مذہب کے ملزمان کی بڑی تعداد تاحال قانونی پیچیدگیوں اور تاخیر کا شکار ہے، جبکہ لوگوں کو مبینہ طور پر توہین مذہب کے مقدمات میں پھنسانے والے ایک منظم نیٹ ورک کے ذمہ داروں کے خلاف اب تک کوئی تحقیقات نہیں کی گئی۔ رپورٹ میں احمدیہ برادری پر ہونے والے حملوں کو بھی دستاویز کیا گیا ہے، جن میں چناب نگر میں ہونے والے دو انتہا پسندانہ حملے اور احمدیوں کو عوامی و تجارتی زندگی سے الگ تھلگ کرنے کی بڑھتی ہوئی کوششیں شامل ہیں۔

مسیحی اور ہندو برادریوں سے تعلق رکھنے والی لڑکیاں اغوا اور جبری شادیوں کا شکار ہوتی رہیں، جن کی وجوہات میں غربت اور پولیس کا غیر تسلی بخش ردِعمل شامل ہے۔ ملازمتوں میں امتیازی سلوک، اسکول کے نصاب میں بڑھتی ہوئی اسلامائزیشن اور مرکزی دھارے کے میڈیا میں اقلیتوں کے مسائل کو نظرانداز کیا جانا مساوی شہریت کے تصور کو مزید کمزور کرتا ہے۔

رپورٹ میں وفاقی حکومت پر زور دیا گیا ہے کہ وہ بلا تاخیر 'نیشنل کمیشن فار مائنارٹیز ایکٹ' کو فعال کرے، لوگوں کو توہینِ مذہب کے مقدمات میں پھنسانے والے مبینہ نیٹ ورکس کی تحقیقات کرے اور اقلیتوں کے خلاف تشدد پر اکسانے والوں کا محاسبہ کرے۔ اس کے علاوہ، جبری تبدیلی مذہب اور کم عمری کی شادیوں کے خلاف ٹھوس حفاظتی اقدامات، قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لیے مذہب یا عقیدے کی آزادی کی لازمی تربیت، اور انسانی حقوق کے دفاع کاروں، وکلاء اور صحافیوں کے مؤثر تحفظ کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ خیبر پختونخوا کو بھی تمام شہریوں کے لیے شادی کی کم از کم عمر 18 سال مقرر کرنے کے لیے قانون سازی کرنی چاہیے۔

رپورٹ کے اجراء کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ایچ آر سی پی کی ڈائریکٹر فرح ضیاء نے خبردار کیا کہ ریاست اقلیتوں کو تسلیم کرنے کے بجائے ان کے ساتھ ایسا سلوک کر رہی ہے جس سے وہ خود کو کٹا ہوا، غیر محفوظ اور دوسرے درجے کا شہری محسوس کرتے ہیں۔ اقلیتوں کے حقوق کی فعال کارکن نبیلہ فیروز بھٹی نے شیخوپورہ کے ایک مسیحی میڈیکل پریکٹیشنر کامران گل کے کیس کا حوالہ دیا، جن کی ڈسپنسری کو سوشل میڈیا پر توہین آمیز مواد شیئر کرنے کے الزامات کے بعد 9 اکتوبر کو ایک ہجوم نے آگ لگا دی تھی۔ ایچ آر سی پی پنجاب کے نائب صدر راجہ اشرف نے خبردار کیا کہ توہینِ مذہب کے الزامات کمزور اور غیر محفوظ لوگوں کے استحصال اور انہیں خطرے سے دوچار کرنے کا ذریعہ بن چکے ہیں۔

احمدیوں کی اظہارِ رائے اور اجتماع کی آزادی پر شدید پابندیوں کا ذکر کرتے ہوئے کمیونٹی کے نمائندے عامر محمود نے یاد دلایا کہ ان کی برادری کا آخری عوامی اجتماع 40 سال سے بھی پہلے ہوا تھا۔ شہری پاکستان کے ڈائریکٹر عرفات مظہر نے تنبیہ کی کہ توہینِ مذہب کے زیرِ التوا مقدمات میں عوام کو ملزمان کے وکلاء سے رجوع کرنا چاہیے اور عدالتوں کو مناسب قانونی طریقہ کار طے کرنے دینا چاہیے، بجائے اس کے کہ ملزمان کو توہینِ مذہب کے قوانین پر جاری وسیع تر بحث کی علامت بنا دیا جائے۔ ایچ آر سی پی کی سابق چیئر پرسن حنا جیلانی نے اقلیتوں کے خلاف ادارہ جاتی امتیازی سلوک کی نشاندہی کرتے ہوئے حاضرین کو یاد دلایا کہ جمہوریت میں 'اقلیت' اور 'اکثریت' کا کوئی تصور نہیں ہونا چاہیے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 15 اکتوبر 2026]

پناہ گاہ سے محرومی

2025-26 میں مذہب یا عقیدے کی آزادی

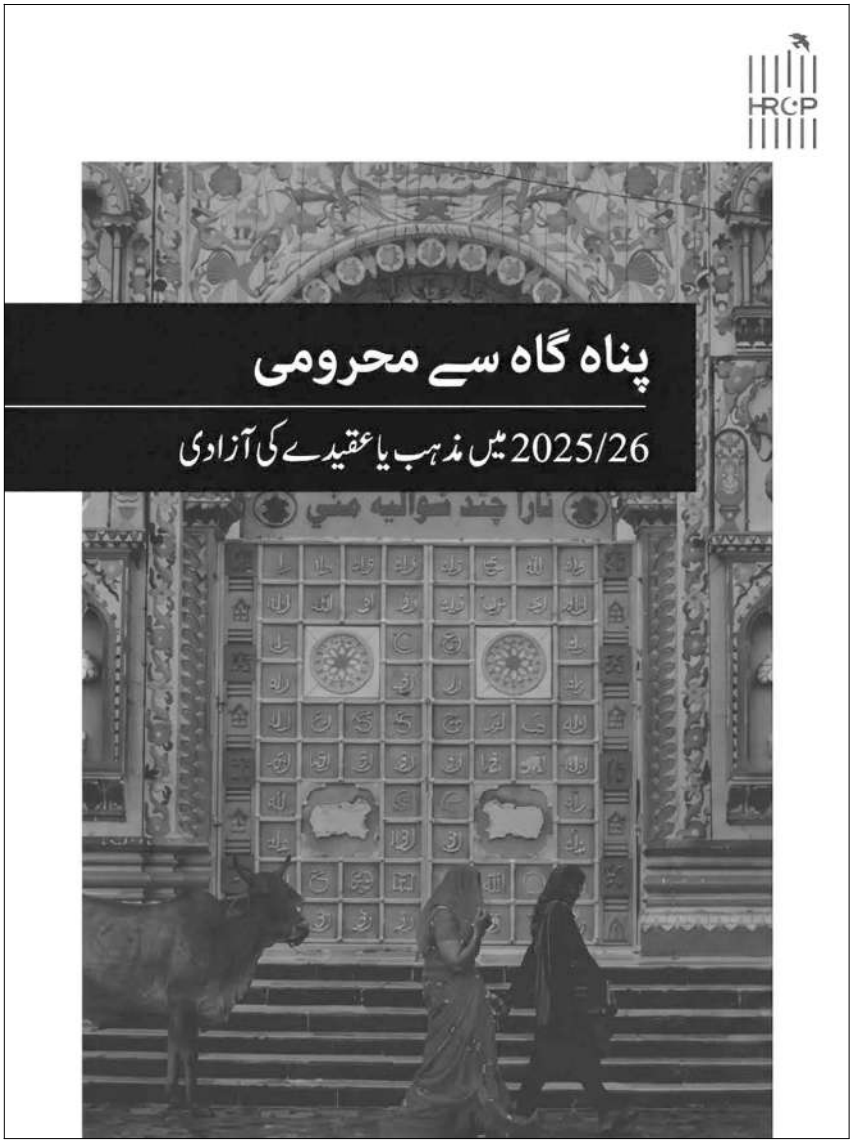
تعارف

"مختلف اقلیتی برادریوں کو امتیازی سلوک، انفرادی حملوں، ہجوم کے تشدد اور ان کی عبادت گاہوں کی تباہی کا سامنا ہے۔ اقلیتوں کے خلاف نفرت پر مبنی جرائم کے مقدمات میں قانونی کارروائی محدود ہے، جس کی وجہ سے مجرموں میں سزا سے تحفظ کا احساس پیدا ہوتا ہے اور متاثرین میں خوف مزید بڑھ جاتا ہے۔ پاکستان کے قانونی نظام اور سیاسی مباحث میں 'اقلیتوں' کے تصور کی کوئی جامع تشریح موجود نہیں ہے۔"

ضلع کچہری، فیصل آباد۔ انٹرویو دینے والے شخص نے لفظ 'توہینِ مذہب' بولتے وقت اپنی آواز بہت زیادہ دھیمی کر دی جیسے کہ وہ سرگوشی کر رہا ہو۔ وہ کچھ فاصلے پر گفتگو کرنے والے وکلا کے ایک گروہ سے محتاط تھا۔ عدالت میں ایک محرر نے غلطی سے ایک مسیحی وکیل کے ایسے نام کے ساتھ، جو مسلمانوں کے نام سے مشابہت رکھتا تھا، 'محمد' کا سابقہ لگا دیا۔ وہ اس غلطی کی تصحیح کرنے سے خوف زدہ تھا، کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ کہیں اس پر توہینِ مذہب کا الزام عائد نہ کر دیا جائے۔ ایک احمدی شخص نے بتایا کہ جب بھی کوئی اس کے قومی شناختی کارڈ کو معمول سے زیادہ دیر تک غور سے دیکھتا ہے تو وہ بے چینی محسوس کرتا ہے۔ پاکستان میں اقلیتی برادریوں کے افراد مسلسل اسی نوعیت کے دباؤ اور خوف کی کیفیت میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

اگرچہ آئینِ پاکستان میں 'اقلیت' کی کوئی عمومی تعریف موجود نہیں، تاہم اس میں 'غیر مسلم' کی واضح تعریف کی گئی ہے۔ چنانچہ پاکستان میں مذہب یا عقیدے کی آزادی سے متعلق خلاف ورزیوں کو دستاویزی شکل دیتے ہوئے ہم مذہبی اقلیتوں کی صورتِ حال کا جائزہ آئینی ضمانتوں، بالخصوص آرٹیکل 20، کی روشنی میں لیتے ہیں، جو مذہبی آزادی سے متعلق ہے۔ پاکستان میں مذہب یا عقیدے کی آزادی کی صورتِ حال کا جائزہ لینے والی یہ تحقیقی رپورٹ یکم جولائی 2025 سے 30 جون 2026 تک کے عرصے کا احاطہ کرتی ہے۔

تحقیق کا یہ عرصہ جولائی 2025 میں اس وقت شروع ہوا جب اسلام آباد ہائی کورٹ نے نظرثانی کے بعد اپنے سابقہ حکم کو کالعدم قرار دے دیا، جس میں ایک ایسے کمیشن کی تشکیل کی ہدایت دی گئی تھی جو اس الزام کی تحقیقات کرتا کہ ملک کے



مرکزی تحقیقاتی ادارے کے بعض عناصر کی مبینہ ملی بھگت سے ایک منظم گروہ نے توہینِ مذہب کے الزامات کا سامنا کرنے والے سینکڑوں افراد کو مبینہ طور پر جھوٹے مقدمات میں پھنسایا تھا۔ اس کے بعد سے ملزمان اور ان کے اہلِ خانہ قانونی بے یقینی کی کیفیت سے دوچار ہیں اور انصاف کے حصول اور ذمہ داروں کے محاسبے کے منتظر ہیں۔

احمدیہ برادری کو ان کی جانوں اور املاک پر حملوں کی صورت میں تشدد کا سامنا کرنا پڑا۔ تشویش ناک امر یہ ہے کہ تحقیق کے عرصے کے دوران دو مرتبہ چناب نگر (سابقہ ربوہ) دہشت گردانہ حملوں کا نشانہ بنا۔ احمدیہ برادری کے خلاف بتدریج بڑھتی ہوئی تحریک واضح طور پر نظر آ رہی ہے، جس کا مقصد احمدیوں کو معاشرتی طور پر الگ تھلگ کرنا ہے۔ ایک ایسا رجحان بھی دیکھنے میں آیا جس میں دکانداروں نے احمدیہ برادری کے افراد کو اپنی دکانوں میں داخل ہونے سے روکا۔ ایک دوسرے واقعے میں ایک احمدی شخص نے بتایا کہ ایک کوریئر کمپنی نے یہ عذر پیش کرتے ہوئے چناب نگر میں پارسل پہنچانے سے انکار کر دیا کہ یہ 'احمدیہ علاقہ' ہے۔ خیبر پختونخوا کی ایک بائیں بازو کی سیاسی جماعت کو بھی کردار کشی کی مہم کا عوامی سطح پر جواب دینا پڑا، جس میں اس کی قیادت پر احمدیہ برادری سے تعلقات رکھنے کا الزام عائد کیا گیا تھا۔

تحقیق کے دوران توہینِ مذہب کے قانون کو مسلسل بطور ہتھیار استعمال کرنے کا رجحان برقرار رہا، جو اس احساس کی

عکاسی کرتا ہے جس کے تحت جھوٹے الزامات لگانے والے افراد خود کو سزا سے محفوظ سمجھتے ہیں۔ رپورٹ میں ایک نابینا شخص کا مقدمہ بھی درج ہے، جس پر مبینہ طور پر اس وقت جھوٹا الزام عائد کیا گیا جب الزام لگانے والا شخص اس سے رقم بٹورنے میں ناکام رہا۔ ایک مثبت پیش رفت کے طور پر نام نہاد توہینِ مذہب کے کاروبار میں ملوث گروہ کے ہاتھوں متاثر ہونے والے متعدد افراد کو ضمانت پر رہائی مل گئی، تاہم اب بھی سینکڑوں افراد جیلوں میں قید ہیں۔ غیر مشتبہ نوجوانوں کو مبینہ طور پر جھوٹے مقدمات میں پھنسانے والے عناصر کے خلاف تاحال تحقیقات نہیں کی گئیں۔ ایک مذہبی اسکالر بھی توہینِ مذہب کے الزام کا نشانہ بنے، جب انہوں نے اسلام کے بارے میں کسی دوسرے مذہب کے نقطہ نظر سے متعلق بعض تبصرے کیے۔

تحقیق کے دوران اقلیتوں کے خلاف نفرت انگیز تقاریر اور بیانات کو تیزی سے معمول کا حصہ بنتے ہوئے دیکھا گیا۔ وفاقی دارالحکومت میں ایک مسجد کی مسماری کے خلاف احتجاجی اجتماع کے دوران ایک دائیں بازو کی جماعت کے رہنما نے گرجا گھروں کے خلاف توہین آمیز تبصرے کیے۔ اسی طرح ایک احمدی سرکاری ملازم کو سول ایوارڈ سے نوازے جانے پر دائیں بازو کی جماعتوں کی جانب سے مہم بھی شروع کی گئی۔

اقلیتی برادریوں سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کی گمشدگی اور انہیں عمر رسیدہ مسلمان مردوں کے ساتھ شادی پر مجبور کیے جانے کے واقعات کا سلسلہ جاری رہا۔ رپورٹ میں ایک کم عمر مسیحی لڑکی کے ساتھ پیش آنے والی اذیت ناک صورتِ حال بھی شامل ہے، جس کے ساتھ ہندو لڑکیوں کے ایسے ہی واقعات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ پولیس کا کمزور ردِعمل اور غربت نے متاثرہ لڑکیوں اور ان کے خاندانوں کی مشکلات میں مزید اضافہ کیا۔ تشویش ناک امر یہ ہے کہ سندھ میں ہندو لڑکیوں کی جبری شادیوں کے خلاف سرگرم ہندو برادری سے تعلق رکھنے والے انسانی حقوق کے ایک کارکن نے ایک سوشل میڈیا پلیٹ فارم پر دائیں بازو کی ایک سیاسی جماعت کی جانب سے مبینہ دھمکیوں کے بارے میں پوسٹ کی۔

اقوامِ متحدہ اور انسانی حقوق کے ممتاز عالمی اداروں نے پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک پر بارہا تشویش کا اظہار کیا۔ ان اداروں میں اقوامِ متحدہ کے خصوصی نمائندہ برائے آزادیِ مذہب یا عقیدہ، ہیومن رائٹس واچ اور ایمنسٹی انٹرنیشنل شامل ہیں، جنہوں نے ان خدشات کو اجاگر کیا۔ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے بھی پورا سال سوشل میڈیا پوسٹس، پریس ریلیز اور حقائق معلوم کرنے کے لیے جاری کردہ رپورٹس کے ذریعے ان مسائل کو خصوصی طور پر دستاویزی شکل دی اور اجاگر کیا۔

رپورٹ میں اقلیتوں کے لیے روزگار کے سکڑتے ہوئے مواقع کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض افراد سرکاری ملازمتوں میں پانچ فیصد کوٹے کے باوجود بالآخر سڑکوں پر جھاڑو دینے یا دیگر معمولی نوعیت کے کام کرنے پر مجبور رہتے ہیں۔ جائزے کے دوران گٹروں اور سیوریج لائنوں میں کام کرتے ہوئے جان سے ہاتھ دھونے والے صفائی کے کارکنوں کے واقعات بھی رپورٹس میں شامل کی گئی ہیں۔ رپورٹ میں اسکولوں کے نصاب میں اسلامائزیشن کے رجحان کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

مرکزی دھارے کے ذرائع ابلاغ میں اقلیتوں کے

اقلیتی برادریوں سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کی گمشدگی اور انہیں عمر رسیدہ مسلمان مردوں کے ساتھ شادی پر مجبور کیے جانے کے واقعات کا سلسلہ جاری رہا۔ رپورٹ میں ایک کم عمر مسیحی لڑکی کے ساتھ پیش آنے والی اذیت ناک صورتِ حال بھی شامل ہے، جس کے ساتھ ہندو لڑکیوں کے ایسے ہی واقعات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ پولیس کا کمزور ردِعمل اور غربت نے متاثرہ لڑکیوں اور ان کے خاندانوں کی مشکلات میں مزید اضافہ کیا۔ تشویش ناک امر یہ ہے کہ سندھ میں ہندو لڑکیوں کی جبری شادیوں کے خلاف سرگرم ایک ہندو انسانی حقوق کے کارکن نے ایک سوشل میڈیا پلیٹ فارم پر ایک دائیں بازو کی سیاسی جماعت کی جانب سے مبینہ دھمکیوں کے بارے میں پوسٹ کی۔

مسائل کے حوالے سے بے حسی نہ صرف برقرار رہی بلکہ اس میں مزید شدت آئی۔ سوشل میڈیا، جو جعلی خبروں اور پروپیگنڈے سے زیادہ متاثر ہونے کا امکان رکھتا ہے، خبروں کے حصول کا ایک بڑا ذریعہ بن چکا ہے۔

مثبت پہلو کے طور پر وفاقی حکومت نے بالآخر قومی کمیشن برائے اقلیتیں ایکٹ 2025 منظور کیا، جس کے ذریعے سپریم کورٹ کے 2014 کے فیصلے کی ایک ہدایت پر عمل درآمد کیا گیا۔ یہ فیصلہ عام طور پر 'جیلانی فیصلہ' کے نام سے معروف ہے۔ تاہم رپورٹ تشویش کے ساتھ نشاندہی کرتی ہے کہ تقریباً سات ماہ گزرنے کے باوجود اس ایکٹ کو عملی طور پر نافذ نہیں کیا جا سکا کیونکہ کمیشن کی تشکیل ابھی تک عمل میں نہیں آئی۔

رپورٹ میں بلوچستان اور پنجاب میں کم عمری کی شادیوں کی روک تھام سے متعلق قوانین کی منظوری کو بھی اطمینان بخش پیش رفت قرار دیا گیا ہے، جن کے تحت شادی کی قانونی عمر بڑھا کر 18 سال مقرر کر دی گئی ہے۔ رپورٹ امید ظاہر کرتی ہے کہ خیبر پختونخوا بھی جلد اس حوالے سے قانون سازی کرے گا، تاکہ پورے پاکستان میں لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے لیے شادی کی کم از کم قانونی عمر کے حوالے سے یکسانیت قائم ہو سکے۔

منظم تشدد اور امتیازی سلوک

نفرت انگیز تقاریر

''پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) مذہبی اقلیتی برادریوں کی عبادت گاہوں، بالخصوص اس معاملے میں مسیحی گرجا گھروں کے خلاف ایک مذہبی پیشوا کی جانب سے حال ہی میں دیے گئے توہین آمیز بیانات کی شدید مذمت کرتا ہے۔ اس طرح کے بیانات نہ صرف لاکھوں شہریوں کے مذہبی عقائد اور ایمان کی توہین کرتے ہیں بلکہ نفرت کو ہوا دیتے ہیں اور آرٹیکل 20 کے تحت آئینِ پاکستان میں ضمانت دی گئی مذہب یا عقیدے کی آزادی کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں۔''

- پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (14 اگست 2025)

اقلیتوں کے خلاف نفرت انگیز تقاریر اور بیانات میں نہ صرف اضافہ ہوا ہے بلکہ یہ معاشرے میں ایک معمول کی بات بھی بنتے جا رہے ہیں۔ اس طرح کا رجحان خوف و ہراس، دھمکیوں اور تشدد کے لیے سازگار ماحول پیدا کرنے میں مدد دیتا ہے۔

اسلام آباد میں ایک مسجد کی مسماری کے معاملے پر گفتگو کرتے ہوئے جمعیت علمائے اسلام کے امیر اسلام آباد نے پاکستان میں موجود گرجا گھروں کے بارے میں توہین آمیز اور بے بنیاد بیانات دیے۔ انہوں نے الزام عائد کیا کہ اسلام آباد میں حکام نے دوسرے مذاہب اور مسالک کے لوگوں کو جگہ فراہم کی ہے، جہاں انہوں نے اپنے 'گرجا گھر اور نہ جانے کیا کچھ' تعمیر کر رکھے ہیں۔ انہوں نے ان عبادت گاہوں کو 'گندگی کے ڈھیر' قرار دیا۔

نفرت انگیز تقاریر کے معاشرے میں معمول بنتے جانے کے حوالے سے اس رپورٹ کے لیے انٹرویو کیے گئے ایک سینئر مسیحی وکیل اور انسانی حقوق کے دفاع کار نے کہا:

''ماضی میں عید میلاد النبی کا تہوار مکمل طور پر خوشی، جشن اور تقریبات سے عبارت ہوتا تھا۔ اب اس موقع پر بچے ایسے نعرے لگاتے نظر آتے ہیں جن میں توہینِ مذہب کے مرتکب قرار دیے جانے والے افراد کے سر قلم کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اقلیتی برادریوں کے افراد، جن پر اکثر توہینِ مذہب کے

الزامات عائد کیے جاتے ہیں، جب اپنے محلوں کے قریب اس طرح کے نعرے سنتے ہیں تو وہ خود کو محفوظ اور پُرسکون کیسے محسوس کر سکتے ہیں؟''

اسکولوں کا نصاب اور اقلیتی عقائد

تعلیم کو اکثر مذہبی تعصب اور تنگ نظری کے خلاف ایک مضبوط دفاعی ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس، تعلیم طلبہ کے ذہنوں میں مخصوص نظریات اور عقائد کو زبردستی راسخ کرنے کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے۔

ستمبر 2025 میں سیسل اینڈ آئرس چوہدری فاؤنڈیشن نے ایک رپورٹ شائع کی، جس میں نشاندہی کی گئی کہ ہمارے اسکولوں میں استعمال ہونے والی درسی کتابیں ایسے مواد سے بھری ہوئی ہیں جو:

''تکثیریت کو نقصان پہنچاتا ہے، نفرت انگیز تقاریر کو فروغ دیتا ہے، مذہبی اور صنفی بنیادوں پر درجہ بندی اور بالادستی کے تصورات کو تقویت دیتا ہے اور تاریخی بیانیوں کو مسخ کرتا ہے۔''

اس رپورٹ میں چاروں صوبائی ٹیکسٹ بک بورڈز کی جماعت اول سے دہم تک کی تقریباً 150 درسی کتابوں کا تجزیہ کیا گیا۔ رپورٹ میں خبردار کیا گیا کہ اس طرح کا نصاب لاکھوں بچوں پر حقیقی اور سنگین اثرات مرتب کر رہا ہے، کیونکہ انہیں ایسے تعلیمی نصاب کا پابند بنایا جا رہا ہے جو انہیں معاشرے سے الگ تھلگ کرتا ہے اور:

''تنوع اور اختلافات کا جشن منانے کے بجائے یکسانیت کا درس دیتا ہے۔''

اس رپورٹ کی تیاری کے لیے انگریزی، اردو اور معاشرتی علوم جیسے مضامین کی درسی کتابوں کا جائزہ لینے سے مذکورہ بالا نتائج کی تصدیق ہوتی ہے کہ ایسی درسی کتابیں:

''اکثر مذہبی تعلیمات اور ہدایات سے بھری ہوتی ہیں، جو اقلیتی طلبہ کے مذہبی عقائد اور ان کے تجربات کو نظرانداز کرتی ہیں۔''

رپورٹ میں مزید نشاندہی کی گئی ہے کہ:

''غیر مذہبی مضامین میں اسلامی مواد کی شمولیت آئینِ پاکستان کے آرٹیکل 22(1) سے براہِ راست متصادم ہے، جو اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ کسی بھی طالب علم کو اس کے اپنے مذہب کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی تعلیم حاصل کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔''

قرآنِ پاک حفظ کرنے والے امیدواروں کو بعض جامعات میں داخلے کے وقت دوسرے امیدواروں کے مقابلے میں خصوصی اضافی نمبروں کی صورت میں واضح برتری حاصل ہوتی ہے۔ جب زیرِ تعلیم مضمون کا تعلق مذہب سے نہ ہو تو اس قسم کے ترجیحی نمبروں کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔

اگرچہ نظرثانی شدہ معیار کے تحت پاکستان میڈیکل اینڈ ڈینٹل کونسل (پی ایم ڈی سی) نے اب حافظِ قرآن امیدواروں کو ایم ڈی کیٹ جیسے داخلہ امتحانات میں 20 اضافی نمبر دینا بند کر دیا ہے، اور سپریم کورٹ نے بھی اس فیصلے کو برقرار رکھا ہے، تاہم پاکستان بھر کی متعدد معروف جامعات اب بھی قرآنِ پاک حفظ کرنے والے امیدواروں کو 20 اضافی نمبر دیتی ہیں۔

صفائی کے کارکنوں کی کسمپرسی

''صفائی ستھرائی کا کام سماجی بدنامی اور تحقیر کا شکار ہے، کیونکہ جنوبی ایشیا کے روایتی ذات پات کے نظام میں اس کام کو مخصوص ذاتوں سے منسوب پیشوں کے ساتھ علامتی طور پر وابستہ کر دیا گیا ہے۔ ذات پات کا نظام آج کے پاکستان میں بھی برقرار ہے اور بڑی حد تک اسے مذہبی شناختوں کے ساتھ منسلک کر دیا گیا ہے۔''

- ایمنسٹی انٹرنیشنل (2025، صفحہ 9)

اپریل 2026 میں کراچی کے علاقے سرجانی ٹاؤن میں جمعہ کی شام بند سیوریج لائن کی صفائی کے دوران زہریلی گیسوں کے باعث دلسن، وقاص اور نذیر ہلاک ہو گئے۔ جون 2026 میں واٹر اینڈ سینیٹیشن ایجنسی کے ملازم وسیم مسیح اور ان کے معاون اکرام ڈوگر بہاولپور میں سیوریج لائن میں اترے تاکہ پائپوں کی بندش کو دستی طور پر کھول سکیں، تاہم وہاں موجود زہریلی گیسوں کی زد میں آ کر دم گھٹنے سے بے ہوش ہو گئے۔ انہیں اسپتال منتقل کیا گیا، جہاں دونوں کو مردہ قرار دے دیا گیا۔

پاکستان میں صفائی کے کارکنوں کی کسمپرسی اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ مذہب اور ذات پات کی بنیاد پر امتیازی سلوک کس طرح لوگوں کے روزگار تک رسائی کے مواقع کا تعین کرتا ہے۔

پنجاب میں مسیحی افراد اور سندھ میں نچلی ذات سے تعلق رکھنے والے ہندو اکثر صفائی ستھرائی کے خطرناک کام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، جہاں انہیں حفاظتی آلات اور ضروری حفاظتی سامان بھی فراہم نہیں کیا جاتا۔ اس کے نتیجے میں متعدد افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

جائزے کے دوران صفائی کے کارکنوں کی ہلاکتوں کے واقعات اس قدر تواتر سے پیش آئے کہ انہیں محض انفرادی یا الگ تھلگ واقعات قرار دے کر نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

ستمبر 2025 میں کراچی کے علاقے عثمان آباد میں وِشال، شاہیر اور جارج بند گٹروں کی صفائی کی کوشش کے دوران دم گھٹنے سے جاں بحق ہو گئے۔

اپریل 2026 میں کراچی کے علاقے سرجانی ٹاؤن میں جمعہ کی شام بند سیوریج لائن کی صفائی کے دوران زہریلی گیسوں کے باعث دلسن، وقاص اور نذیر ہلاک ہو گئے۔

جون 2026 میں واٹر اینڈ سینیٹیشن ایجنسی کے ملازم وسیم مسیح اور ان کے معاون اکرام ڈوگر بہاولپور میں سیوریج لائن میں اترے تاکہ پائپوں کی بندش کو دستی طور پر کھول سکیں، تاہم وہاں موجود زہریلی گیسوں کی زد میں آ کر دم گھٹنے سے بے ہوش ہو گئے۔ انہیں اسپتال منتقل کیا گیا، جہاں دونوں کو مردہ قرار دے دیا گیا۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل (2025) کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ صفائی کے کارکن:

''ذات پات اور مذہب کی بنیاد پر امتیازی بھرتیوں اور کام کرنے کے امتیازی طریق کار کا نشانہ بنتے ہیں۔''

رپورٹ کے لیے انٹرویو کیے گئے صفائی کے 55 فیصد کارکنوں نے اس بات کو تسلیم کیا کہ ان کی ذات یا مذہبی شناخت امتیازی بھرتیوں اور ملازمت دینے کے طریق کار میں ایک بنیادی اور فیصلہ کن عنصر کی حیثیت رکھتی ہے۔

رپورٹ میں بہاولپور کے ایک شخص کا حوالہ بھی دیا گیا ہے، جس کا انٹرویو الیکٹریشن کی ملازمت کے لیے لیا گیا تھا، لیکن جب انٹرویو لینے والوں کو معلوم ہوا کہ وہ مسیحی ہے تو اسے صفائی کے کارکن کی ملازمت کی پیشکش کر دی گئی۔ اس شخص نے اپنے خاندان کی کفالت اور معاشی ضروریات پوری کرنے کے لیے یہ ملازمت قبول کر لی۔

املاک کی دیکھ بھال سے کوتاہی اور ان پر ناجائز قبضہ

ستمبر 2025 میں متروکہ وقف املاک بورڈ نے سرگودھا میں اپنے کرایہ وصول کرنے والے اہلکار کو اس وقت عہدے سے ہٹا دیا جب بھلوال میں ایک تاریخی مندر سے تعلق رکھنے والی زمین پر غیر قانونی قبضے کی شکایات سامنے آئیں۔ یہ معاملہ اس سے قبل سیاسی رہنما ندیم افضل چن نے اپنے ایکس (X) اکاؤنٹ پر جاری کردہ ویڈیو میں بھی اٹھایا تھا۔

11 جون 2026 کو حکومتِ پنجاب کے حکام نے 11.5 کنال پر مشتمل ایوننگ ہال پر قبضہ کر لیا، جو فارمَن کرسچن کالج یونیورسٹی کو لیز پر دیا گیا تھا۔

ایف سی سی یو کے مطابق، مبینہ طور پر یونیورسٹی کو فرنیچر، جنریٹرز اور تاریخی و ثقافتی نوادرات وہاں سے منتقل کرنے کے لیے صرف 24 گھنٹے دیے گئے تھے۔

اس اقدام کے نتیجے میں ایف سی سی یو، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) اور ثقافتی ورثے کے تحفظ کے لیے سرگرم کارکنوں کی جانب سے شدید ردِعمل سامنے آیا، جنہوں نے اس اقدام کی مذمت کی۔

دسمبر 2025 میں پارلیمانی کمیٹی برائے اقلیتی کوکس کے پہلے اجلاس میں پیش کیے گئے اعداد و شمار کے مطابق، پاکستان میں ہندوؤں کی 1285 عبادت گاہیں اور 532 گردوارے موجود ہیں، تاہم ان میں سے صرف 37 فعال ہیں۔ اس کی بنیادی وجوہات میں ان علاقوں میں ہندوؤں اور سکھوں کی کم تعداد اور متعلقہ حکام کی جانب سے ان عبادت گاہوں کی دیکھ بھال اور مرمت کا فقدان شامل ہیں۔

دسمبر 2025 میں 'ٹیکسلا بیٹھک' کے ایک خصوصی اجلاس کے دوران شرکاء نے ٹیکسلا کے قدیم ترین محفوظ ہندو عبادت خانوں میں سے ایک، رگھوناتھ مندر (Temple Raghunath) کی تیزی سے بگڑتی ہوئی حالت پر تبادلہ خیال کیا۔

یہ مندر خطے میں ثقافتی ہم آہنگی کی ایک علامت ہے، تاہم:

''یہ مندر انتہائی تشویش ناک حد تک عدم توجہی اور زبوں حالی کا شکار ہو چکا تھا، جس کے باعث ثقافتی ورثے کے ماہرین، سول سوسائٹی کے ارکان اور مقامی برادری نے اس کی فوری بحالی اور تحفظ کا مطالبہ کیا۔''

مثبت پیش رفتیں

" پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) اصولی طور پر قومی کمیشن برائے اقلیتیں بل 2025 کی منظوری کا خیر مقدم کرتا ہے، جو ایک دیرینہ آئینی ذمہ داری کی تکمیل ہے، جس کی جانب سپریم کورٹ نے پہلی مرتبہ 2014 میں نشاندہی کی تھی۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ قانون سازی کے عمل کے دوران ہونے والی بحث اور ترامیم میں بعض سیاسی اختلافات بھی سامنے آئے، ہم اس بل کا باریک بینی سے جائزہ لینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تاہم، ہم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مجوزہ کمیشن کو تمام مذہبی اقلیتوں کے حقوق کا یکساں طور پر، بلا استثنا اور کسی قسم کی درجہ بندی یا ترجیح کے بغیر تحفظ کرنا چاہیے۔ مزید برآں، اس کا دائرہ اختیار اور اختیارات مذہب یا عقیدے کی آزادی اور تمام اقلیتی شہریوں کے ساتھ عدم امتیاز کے آئینی ضمانت شدہ اصولوں سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہونے چاہئیں۔''

-پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (2 دسمبر 2025)

مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیوں کے باوجود، اس عرصے کے دوران بعض مثبت پیش رفتیں بھی سامنے آئیں جن کا محتاط انداز میں اعتراف کرنا ضروری ہے۔ ان پیش رفتوں کے دیرپا اثرات مرتب کرنے کے لیے حکومت کی جانب سے ان پر مؤثر اور ٹھوس اقدامات کے ذریعے عمل درآمد اور مسلسل پیش رفت کو یقینی بنانا ضروری ہے۔

دسمبر 2025 میں قومی کمیشن برائے اقلیتیں ایکٹ 2025 منظور کیا گیا، جس کے تحت قومی کمیشن برائے اقلیتی حقوق قائم کیا جانا ہے، تاکہ ''اقلیتوں کے سماجی، معاشی، سیاسی اور قانونی حقوق اور مفادات کا تحفظ کیا جا سکے اور انہیں فروغ دیا جا سکے۔'' اس ایکٹ کے مطابق کمیشن ایک چیئرمین، ہر صوبے سے اقلیتی برادریوں کے دو اراکین اور وفاقی دارالحکومت سے اقلیتی برادری کے ایک رکن پر مشتمل ہوگا۔

اس تحقیق کے لیے انٹرویو کیے گئے انسانی حقوق کے بیشتر اداروں اور اقلیتی برادریوں کے ارکان نے اس قانون سازی کا خیر مقدم کیا۔ انسانی حقوق کے دفاع کار صفدر چوہدری نے اس حوالے سے کہا کہ:

''اگر قومی کمیشن برائے اقلیتیں ایکٹ 2025 کو اس کی حقیقی روح کے مطابق نافذ کیا جائے تو اقلیتوں کے مسائل کا ایک بڑا حصہ حل ہو جائے گا۔''

تاہم، انہوں نے مزید کہا کہ یہ ایکٹ بنیادی طور پر پاکستان کی بین الاقوامی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے نافذ کیا گیا ہے۔ تقریباً سات ماہ گزرنے کے بعد بعض حلقوں میں اس قانون کی اہمیت کے حوالے سے شکوک و شبہات بڑھنے لگے ہیں۔ کمیشن کے قیام کا عمل ابھی تک مکمل نہیں ہوا اور اس کے چیئرمین کا تقرر بھی نہیں کیا گیا۔

اس خدشے کے پیشِ نظر کہ کہیں یہ قانون بھی محض ایک ایسی بے اثر اور کھوکھلی قانون سازی ثابت نہ ہو جس کا مقصد بین الاقوامی ذمہ داریوں کی پاسداری کا ظاہری تاثر قائم کرنا ہو، وفاقی اور صوبائی اسمبلیوں سے تعلق رکھنے والے اقلیتی برادریوں کے بائیس ارکان، قانونی ماہرین اور سول سوسائٹی کے نمائندے مئی 2026 میں ایک فورم پر جمع ہوئے۔ انہوں نے حکومت پر زور دیا کہ وہ ایکٹ کی حقیقی روح کے مطابق قواعد و ضوابط مرتب کر کے قومی کمیشن برائے اقلیتی حقوق کو فوری طور پر فعال بنائے۔

ایک اور مثبت پیش رفت کے طور پر، وفاقی دارالحکومت کی پیروی کرتے ہوئے بلوچستان اور پنجاب نے بھی بچوں کی شادی کو قابلِ سزا جرم قرار دینے کے لیے قانون سازی کی۔

بلوچستان نے نومبر 2025 میں بلوچستان چائلڈ میرجز ریسٹرینٹ ایکٹ 2025 منظور کیا، جبکہ پنجاب نے مئی 2026 میں چائلڈ میرجز ریسٹرینٹ ایکٹ 2026 منظور کیا۔ خیبر پختونخوا واحد صوبہ ہے جس نے ابھی تک اس نوعیت کی قانون سازی اختیار نہیں کی۔

مارچ 2026 میں ایک قدرے امید افزا پیش رفت کے طور پر پنجاب ایجوکیشن، کریکولم، ٹریننگ اینڈ اسیسمنٹ اتھارٹی نے اسکولوں میں چھ اقلیتی مذاہب سے تعلق رکھنے والے طلبہ کے لیے مذہبی تعلیم کی درسی کتابوں کی منظوری دی۔ ان چھ مذاہب میں مسیحیت، ہندومت، سکھ مت، کالاش مذہب، بدھ مت اور زرتشت مذہب شامل ہیں۔

تاہم، اس حوالے سے بہت کم وضاحت موجود ہے کہ ان کتابوں کے ذریعے صوبے بھر میں مختلف علاقوں میں مقیم اقلیتی برادریوں سے تعلق رکھنے والے طلبہ کو کس طرح تعلیم دی جائے گی۔ حیران کن طور پر احمدیہ برادری کو اقلیتوں کی اس فہرست میں شامل نہیں کیا گیا۔

سفارشات

1۔ وفاقی حکومت قومی کمیشن برائے اقلیتیں ایکٹ کو مؤثر طور پر نافذ العمل بنائے۔ اس مقصد کے لیے یقینی بنایا جائے کہ کمیشن کی باقاعدہ تشکیل عمل میں لائی جائے، ایکٹ کے تحت مطلوبہ قواعد و ضوابط مرتب کیے جائیں اور قانون میں دیے گئے طریق کار کے مطابق چیئرمین اور دیگر اراکین کا تقرر کیا جائے۔

2۔ وفاقی اور صوبائی حکومتیں مذہب یا عقیدے کی آزادی سے متعلق معاملات پر ہر سال تفصیلی اور الگ الگ اعداد و شمار شائع کریں۔ ان میں توہینِ مذہب کے مقدمات، ہجوم کے تشدد کے واقعات، جبری تبدیلیِ مذہب کی شکایات اور جیلوں سے متعلق اعداد و شمار شامل ہوں۔ اس اقدام سے سرکاری دعووں میں شفافیت، قابلِ اعتماد ہونے اور جواب دہی کو یقینی بنایا جا سکے گا۔

3۔ خیبر پختونخوا حکومت کو ایسا قانون منظور کرنے کو ترجیح دینی چاہیے جس کے تحت مردوں اور خواتین دونوں کے لیے شادی کی کم از کم عمر 18 سال مقرر ہو، تاکہ پورے پاکستان میں شادی کی قانونی عمر کے حوالے سے یکسانیت قائم ہو سکے۔

4۔ ایسے گروہوں یا افراد کے خلاف قانون کے مطابق فوری کارروائی کی جائے جو ہجوم کو اشتعال دلاتے، لوگوں کو اکساتے یا تشدد پر آمادہ کرتے ہیں۔

5۔ قانون نافذ کرنے والے اور تفتیشی اداروں، مثلاً پولیس اور وفاقی تحقیقاتی ادارے (ایف آئی اے) کے اہلکاروں کے لیے مذہب یا عقیدے کی آزادی سے متعلق جرائم سے نمٹنے اور بین الاقوامی معاہدوں اور کنونشنز کے تحت پاکستان کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے حوالے سے لازمی تربیت کا انتظام کیا جائے۔

6۔ وفاقی اور صوبائی حکومتیں بھرتیوں کے دوران امتیازی طرزِ عمل کا خاتمہ کریں، جس کے نتیجے میں اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے بہت سے افراد کو صفائی ستھرائی اور نکاسی آب جیسے کاموں تک محدود کر دیا جاتا ہے۔ تمام شہریوں کو بلا امتیاز مساوی روزگار کے مواقع فراہم کیے جائیں۔

7۔ وفاقی قانونی ادارے، متروکہ وقف املاک بورڈ کے انتظامی ڈھانچے میں بنیادی اصلاحات کی جائیں، تاکہ اسے زیادہ شفاف، جواب دہ اور اقلیتی برادریوں کی حقیقی نمائندگی کا حامل بنایا جا سکے۔

8۔ وفاقی حکومت پاکستان کمیشن آف انکوائری ایکٹ 2017 کی دفعہ 3 کے تحت ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کرے، جو پنجاب پولیس کی اسپیشل برانچ اور قومی کمیشن برائے انسانی حقوق (این سی ایچ آر کی اکتوبر 2024 کی رپورٹ اور اس میں پیش کردہ نتائج کا جائزہ لے۔

9۔ متعلقہ حکام ایسے مدارس کی باقاعدگی سے نگرانی کریں جن کے بارے میں مذہب کی تبدیلی اور کم عمر شادیوں میں ملوث ہونے کے الزامات یا اطلاعات موجود ہوں۔ مزید برآں، کسی بھی شخص کی مذہبی تبدیلی کا عمل عدالت میں یا کسی سرکاری افسر کی موجودگی میں انجام دیا جائے، تاکہ اس کی آزادانہ مرضی، رضامندی اور قانونی حقوق کا تحفظ یقینی بنایا جا سکے۔

10۔ انسانی حقوق کے محافظوں، وکلا اور صحافیوں کے تحفظ کے لیے ٹھوس اقدامات کیے جائیں، جو مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیوں کو سامنے لاتے ہوئے اپنی جان و سلامتی کو خطرے میں ڈالتے ہیں اور جرائم پیشہ عناصر کی جانب سے نقصان پہنچائے جانے کے خطرات کا سامنا کرتے ہیں۔

11۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ ہجوم کے تشدد سے شہریوں کی جان و مال کا مؤثر تحفظ کر سکیں۔ اس مقصد کے لیے پولیس کو انٹیلی جنس معلومات جمع کرنے، ہجوم کو پُرامن طور پر قابو میں رکھنے، فسادات کی ابتدائی علامات کی نشاندہی کرنے اور کمیونٹی پولیسنگ کے حوالے سے مؤثر تربیت دینا نہایت ضروری ہے۔

12۔ پاکستان کی جیلوں میں توہینِ مذہب کے الزامات کا سامنا کرنے والے قیدیوں کو درپیش مشکلات کے بارے میں مختلف رپورٹس میں نشاندہی کی گئی ہے۔ متعلقہ حکام اس بات کو یقینی بنائیں کہ ان قیدیوں کو سکیورٹی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے دیگر قیدیوں کی طرح یکساں سہولیات اور بنیادی انسانی حقوق تک رسائی حاصل ہو۔

13۔ عوامی مقامات پر اقلیتوں اور ان افراد کو نشانہ بنانے والی نفرت انگیز تقاریر اور بیانیے کا مؤثر تدارک کیا جائے جو اسلام کی انتہا پسند اور انتہائی دائیں بازو کی تعبیر سے اتفاق نہیں کرتے۔ ریاست کو چاہیے کہ تشدد پر اکسانے والے تمام عناصر کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی کرے، بالخصوص سوشل میڈیا پر ایسے مواد کے خلاف، تاہم اس دوران آئینِ پاکستان کے آرٹیکل 19 کے تحت ضمانت دی گئی آزادی اظہارِ رائے کے حق کا بھی مکمل احترام کیا جائے۔

14۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں سے بدعنوان عناصر کے خاتمے کے لیے محکمانہ احتساب کا ایک مؤثر اور فعال نظام قائم کیا جائے۔ اہلکاروں کی باقاعدگی سے کارکردگی کا جائزہ لیا جائے، جس میں ان کی جسمانی اور ذہنی صحت کا معائنہ بھی شامل ہو، تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ وہ نامساعد اور مخاصمانہ حالات میں پولیسنگ کی ذمہ داریاں مؤثر انداز میں انجام دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

15۔ اسکولوں کے نصاب کا جامع جائزہ لیا جائے اور اسے ازسرِنو مرتب کیا جائے، تاکہ مذہبی تعصب اور تنگ نظری کا خاتمہ ہو اور طلبہ میں باہمی احترام، شمولیت، مذہبی رواداری اور تکثیریت کو فروغ دیا جا سکے۔

16۔ صوبوں میں پرتشدد انتہا پسندی کی روک تھام سے متعلق قوانین کے تحت جن تحقیقی مراکز کے قیام کا تصور پیش کیا گیا ہے، انہیں جلد از جلد فعال کیا جائے۔

17۔ بین المذاہب ہم آہنگی کی کمیٹیوں کو زیادہ مؤثر بنایا جائے اور انہیں پورا سال فعال رکھا جائے، نہ کہ صرف مذہبی تقریبات یا تہواروں سے قبل۔ ان کمیٹیوں کی متنوع مذہبی برادریوں والے علاقوں میں نمایاں موجودگی ہونی چاہیے اور انہیں مقامی انتظامیہ کے ساتھ مسلسل رابطہ اور مؤثر تعاون برقرار رکھنا چاہیے۔

18۔ بارایسوسی ایشنز اور مذہبی گروہوں کی جانب سے ڈالے جانے والے بیرونی دباؤ کو پولیس اور ضلعی انتظامیہ کے فیصلوں پر اثرانداز ہونے کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے، خصوصاً ایسے معاملات میں جہاں کسی مخصوص مسلک یا اقلیتی برادری کے خلاف کارروائی پر مجبور کرنے کی کوشش کی جائے۔ قانون کا نفاذ غیر جانب دارانہ اور بلا امتیاز ہونا چاہیے۔

19۔ عدالتی اور انتظامی حکام 2014 کے سپریم کورٹ کے فیصلے پر اس کی روح کے مطابق مکمل عمل درآمد یقینی بنائیں، تاکہ مذہبی آزادیوں کا تحفظ ہو سکے۔

20۔ متعلقہ حکام تمام اقلیتی عبادت گاہوں کی سلامتی اور تحفظ کو یقینی بنائیں۔ بالخصوص احمدی برادری کی ان تمام عبادت گاہوں کو فوری طور پر دوبارہ کھولا جائے جنہیں امنِ عامہ کو لاحق مبینہ خطرات کی بنیاد پر بند کیا گیا ہے۔ کسی بھی مذہبی برادری کے عبادت کے حق پر غیر ضروری پابندیاں عائد نہیں کی جانی چاہئیں۔

21۔ توہینِ مذہب کے الزام کی سنگینی کے پیشِ نظر، تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ 295-C کے تحت ایسے مقدمات کی تحقیقات اعلیٰ عہدے کے افسران کے ذریعے کرائی جانی چاہئیں، تاکہ تحقیقات غیر جانب دارانہ، شفاف اور قانون کے مطابق ہوں اور کسی بے گناہ شخص کو ناانصافی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

22۔ عوام میں آگاہی پیدا کرنے کے لیے ایک جامع مہم چلائی جائے، جس کے ذریعے سزائے موت پر منتج ہونے والے حساس قوانین، ان قوانین کے ممکنہ غلط استعمال اور لوگوں کو جھوٹے مقدمات میں پھنسانے کے طریقوں، خصوصاً ڈیجیٹل دور میں، کے بارے میں آگاہ کیا جائے۔ مزید برآں، عوام کو سائبر قوانین میں ہونے والی تبدیلیوں اور ان کے ارتقا سے مسلسل باخبر رکھا جائے۔

23۔ مرکزی دھارے کے ذرائع ابلاغ کو اس بات کی آزادی حاصل ہونی چاہیے کہ وہ معاشرے کے تمام طبقات، بالخصوص محروم، کمزور اور حاشیے پر موجود گروہوں کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں آزادانہ اور مؤثر انداز میں ادا کر سکیں۔

24۔ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق ایک بار اپنے اس دیرینہ مطالبے کو دہراتا ہے کہ کسی بھی عبادت گاہ کو اس وقت تک مسمار نہیں کیا جانا چاہیے جب تک عدالت دونوں فریقین کا مؤقف سننے کے بعد واضح اور باقاعدہ حکم جاری نہ کرے۔ کسی بھی عبادت گاہ کو نقصان پہنچانے، اس کی بے حرمتی کرنے یا اسے مسمار کرنے کی کوشش کرنے والے افراد کے خلاف قانون کے مطابق قانونی کارروائی کی جائے۔

ایچ آر سی پی کی رپورٹ ''پناہ گاہ سے محرومی: 26-2025 میں مذہب یا عقیدے کی آزادی'' سے ماخوذ

جیل کی دیواروں سے آگے

پاکستان کی جیلوں میں گنجائش سے زیادہ قیدیوں کی تعداد میں کمی لانے کے لیے اصلاحات

تعارف

جیلوں میں گنجائش سے زیادہ قیدیوں کی موجودگی سے مراد ایسی صورتِ حال ہے جس میں جیل میں قید افراد کی تعداد جیل کی مقررہ گنجائش یا سرکاری طور پر مختص کردہ گنجائش سے تجاوز کر جائے۔

سرکاری یا مقررہ گنجائش سے مراد قیدیوں کی وہ مجموعی تعداد ہے جسے کوئی جیل فی قیدی یا قیدیوں کے کسی گروہ کے لیے پہلے سے متعین کردہ کم از کم جگہ (رقبے) کی ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے اندر رکھنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ تاہم، اس پیمانے کے ساتھ بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اس کا انحصار بڑی حد تک ان معیارات پر ہوتا ہے جنہیں جیل کے حکام اختیار کرتے ہیں۔

جیلوں میں گنجائش سے زیادہ قیدیوں کی موجودگی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا سبب بنتی ہے، جن میں صحت اور رہائشی سہولیات کی ناقص صورتِ حال اور قیدیوں کی بحالی و اصلاح کی سہولیات فراہم کرنے کی صلاحیت میں کمی شامل ہے۔ Fatima et al., (2024)

اس صورتِ حال کا تعلق صحت پر مرتب ہونے والے منفی اثرات سے بھی جوڑا گیا ہے، جن میں متعدی بیماریاں اور ذہنی صحت کے مسائل شامل ہیں۔ جیسا کہ تحقیق میں بیان کیا گیا ہے:

''اس بات پر اتفاقِ رائے پایا جاتا ہے کہ جیلوں میں گنجائش سے زیادہ قیدیوں کی موجودگی صفائی و ستھرائی کے ناقص انتظامات، تشدد اور مجموعی فلاح و بہبود کی صورتِ حال کو مزید خراب کر دیتی ہے۔''

Aon et al., 2025

نیز ملاحظہ کریں: یورپی کونسل 2025

قومی کمیشن برائے انسانی حقوق اور دیگر اداروں کی جانب سے شائع کردہ جیلوں سے متعلق اعداد و شمار کی رپورٹ 2024 کے مطابق، پاکستان بھر کی جیلوں میں گنجائش سے زیادہ قیدیوں کی موجودگی سنگین تشویش کا معاملہ ہے، کیونکہ بیشتر جیلوں میں ان کی مقررہ گنجائش سے کہیں زیادہ قیدی رکھے جا رہے ہیں۔

رپورٹ میں فراہم کردہ اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ جولائی اور اگست 2024 کے متعلقہ عرصے میں پاکستان کے زیرِ انتظام مختلف صوبوں اور علاقوں کی جیلوں میں قیدیوں کی اوسط تعداد ان کی سرکاری طور پر مقرر کردہ گنجائش کے 152.2 فیصد تک پہنچ چکی تھی

جیلوں میں گنجائش سے زیادہ قیدیوں کی موجودگی کے حوالے سے سرکاری سطح پر عمومی مؤقف یہ اختیار کیا جاتا ہے کہ جیلوں کے حالات میں بہتری آ رہی ہے۔ تاہم، اگرچہ بعض اصلاحات اور بہتری کے اقدامات واقعی کیے گئے ہیں، لیکن ان میں بنیادی توجہ موجودہ قیدیوں کی تعداد کو رکھنے کے لیے نئی جیلیں تعمیر کرنے پر مرکوز رہی ہے۔ اس کے باوجود زمینی حقائق کی صورتِ حال اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے۔ درحقیقت، پاکستان کی جیلوں میں قید افراد کی بڑی تعداد سے متعلق تفصیلی اور الگ الگ اعداد و شمار کا جائزہ لینے سے فوجداری نظامِ انصاف میں موجود بنیادی اور نظامی نوعیت کے مسائل سامنے آتے ہیں۔ ان مسائل میں ضمانت کے غیر مؤثر نظام، پروبیشن اور پیرول کے نظام میں کمزوریاں اور مقدمات کی سماعت اور ٹرائل کے مرحلے میں غیر ضروری طوالت شامل ہیں۔

چنانچہ جیلوں میں گنجائش سے زیادہ قیدیوں کی موجودگی انسانی حقوق کے حوالے سے سنگین تشویش کا معاملہ ہے، کیونکہ اس کے انسانی حقوق پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے اس مسئلے کی اہمیت کے پیشِ نظر ایک پالیسی پیپر کی صورت میں ان نظامی اور بنیادی نوعیت کے چیلنجز کا جائزہ لینا ضروری سمجھا ہے جو جیلوں میں گنجائش سے زیادہ قیدیوں کی موجودگی میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔

اس پالیسی پیپر میں فوجداری نظامِ انصاف کی ان قانونی دفعات کی حدود، خامیوں اور ان کے محدود اطلاق کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے جن کے ذریعے جیلوں میں قیدیوں کی تعداد کم کی جا سکتی ہے۔ اس کا مقصد دو پہلوؤں سے قیدیوں کی تعداد میں کمی لانا ہے: اول، افراد کو جیل بھیجے جانے سے پہلے ایسے اقدامات کرنا جن کے ذریعے غیر ضروری قید سے بچا جا سکے؛ دوم، قید کی مدت میں کمی لانے کے امکانات کا جائزہ لینا۔ یہ پالیسی پیپر بنیادی طور پر دستیاب دستاویزات اور تحریری مواد کے مطالعے پر مبنی ہے اور اسے چار وسیع ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان ابواب میں مقامی قوانین اور ان کے عملی اطلاق کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان کا بین الاقوامی معیارات کے ساتھ تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔ ہر باب کے اختتام پر متعلقہ باب میں زیرِ بحث مخصوص مسائل کے حل کے لیے پالیسی سازوں کو سفارشات پیش کی گئی ہیں۔ دوسرے باب میں جیلوں میں گنجائش سے زیادہ قیدیوں کی موجودگی اور زیرِ سماعت قیدیوں کے وسیع تر مسئلے کا جائزہ لیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں ضمانت کے قانونی و انتظامی نظام کی وضاحت کی گئی ہے۔

چوتھا باب فوجداری نظامِ انصاف کے اندر موجود ان دیگر عوامل کا احاطہ کرتا ہے جو جیلوں میں قیدیوں کی بڑی تعداد کا سبب بنتے ہیں۔ جبکہ پانچویں باب میں پروبیشن اور پیرول کو قید کی سزا کے متبادل طریقہ ہائے کار کے طور پر جانچا گیا ہے۔

سفارشات

☆ جیلوں سے متعلق اعداد و شمار صوبائی جیل حکام کی جانب سے پیشگی اور ازخود عوام کے لیے دستیاب کیے جانے چاہئیں، تاکہ معلومات تک رسائی کے لیے کسی درخواست یا خصوصی مطالبے کی ضرورت نہ پڑے۔

☆ اعداد و شمار کو اس انداز میں جمع، مرتب اور محفوظ کیا جانا چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ مفید اور قابلِ استعمال ہوں۔ بالخصوص اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ ماہرینِ تعلیم اور محققین قوانین کے استعمال اور ان کے عملی اطلاق سے متعلق مفید اور بامقصد تحقیق کر سکیں۔

☆ جیلوں اور اصلاحی مراکز کے معاملات میں خصوصی مہارت رکھنے والے خودمختار احتسابی فورم کا قیام عمل میں لایا جانا چاہیے، تاکہ جیلوں کے انتظامی امور، قیدیوں کے ساتھ سلوک اور متعلقہ حکام کی کارکردگی کی مؤثر نگرانی اور جواب دہی کو یقینی بنایا جا سکے۔

☆ ضمانت سے متعلق قانونی ڈھانچے پر نظرثانی کی جائے تاکہ اسے آئین کے تحت ضمانت دیے گئے بنیادی حقوق، بالخصوص زندگی اور آزادی کے حق، نیز بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ اصولوں، بشمول بے گناہی کے قانونی مفروضے کے حق سے ہم آہنگ بنایا جا سکے۔

☆ تمام جرائم کے لیے مقدمے کی سماعت سے قبل حراست کو لازمی قرار دینے کی شرط ختم کی جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی یقینی بنایا جائے کہ مقدمے سے قبل کسی ملزم کو حراست میں رکھنے کا فیصلہ محض اس جرم کی نوعیت کی بنیاد پر نہ کیا جائے جس کا اس پر الزام ہے، بلکہ ان عوامل کے معروضی اور غیر جانب دارانہ جائزے کی بنیاد پر کیا جائے جو قبل از سماعت حراست کو ضروری قرار دینے کا جواز فراہم کر سکتے ہیں۔

☆ بے گناہی کے قانونی مفروضے کے اطلاق کو یقینی بنانے کے لیے جرائم کو قابلِ ضمانت اور ناقابلِ ضمانت زمروں میں تقسیم کرنے کے طریق کار کو ختم کیا جائے۔

☆ تمام مقدمات میں تفتیش اور استغاثہ کے عمل کو بلا رکاوٹ اور مؤثر انداز میں آگے بڑھانے کو یقینی بنایا جائے۔ اس دوران ملزم کو آزاد رہنے کی اجازت دی جائے، ماسوائے اس کے کہ مقدمے کی شفافیت اور منصفانہ کارروائی کے تحفظ، معاشرتی امن یا مفادِ عامہ کے تقاضے اس کے برعکس کوئی اقدام تجویز کریں۔

☆ ملزم کو جیل میں رکھنے کی ضرورت اور اس کے جواز کو ثابت کرنے کی ذمہ داری پولیس اور استغاثہ پر عائد ہونی چاہیے، نہ کہ ملزم پر یہ بوجھ ڈالا جائے کہ وہ ابتدائی طور پر اپنی بے گناہی ثابت کرے۔ دوسرے لفظوں میں، ملزم کو اپنی بے گناہی کا ابتدائی ثبوت فراہم کرنے کا پابند بنانے کے بجائے متعلقہ حکام کو یہ ثابت کرنا چاہیے کہ اسے حراست میں رکھنا کیوں ضروری ہے۔

☆ بعض مخصوص جرائم، بالخصوص ایسے جرائم جن کے لیے مختصر مدتِ قید کی سزا مقرر ہے، ان میں مقدمے کی سماعت سے قبل ملزم کو حراست میں رکھنے کے عمل پر پابندی عائد کی جائے۔

☆ مقدمے کی سماعت سے قبل حراست کے متبادل طریق کار متعارف کرائے جائیں، مثلاً ذاتی ضمانت پر رہائی، نگرانی کے تحت رہائی، گھر میں نظر بندی یا قید میں رکھنے کے بجائے دیگر مناسب پابندیاں عائد کرنا۔ اس کے ساتھ ضمانت پر رہائی کے امکانات کو وسیع کیا جائے، ضمانت کی رقم منصفانہ اور قابلِ برداشت مقرر کی جائے اور نقد ضمانت کے متبادل کے طور پر ضامن فراہم کرنے کی سہولت بھی دی جائے۔ ضابطِ فوجداری کے تحت مقررہ قانونی مدت کے اندر مقدمے کی کارروائی مکمل نہ ہونا ضمانت کی منظوری کے لیے ایک لازمی قانونی بنیاد ہے۔ اس لیے اس قانونی اصول پر سختی سے عمل درآمد یقینی بنایا جائے۔

☆ ملزمان کو ضمانت کی درخواست پر سماعت کے مرحلے اور مقدمے سے قبل ہونے والی تمام عدالتی کارروائیوں کے دوران یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ وہ اپنے خلاف پولیس کے پاس موجود تمام شواہد کا معائنہ کر سکیں اور ان کی نقول حاصل کر سکیں، خواہ وہ شواہد دستاویزی ہوں یا کسی دوسری شکل میں موجود ہوں، تاکہ انہیں ان شواہد کا مؤثر جواب دینے، انہیں چیلنج کرنے اور اپنے دفاع میں ان کی تردید کرنے کا مکمل موقع حاصل ہو۔

☆ جج صاحبان کو ملزمان کو پولیس کی تحویل یا جیل بھیجنے کے لیے جسمانی ریمانڈ دینے کے اختیارات کا استعمال انتہائی احتیاط اور محدود پیمانے پر کرنا چاہیے۔ عمومی اصول یہ ہونا چاہیے کہ ملزم کو ضمانت پر رہا کیا جائے، سوائے ان صورتوں کے جہاں مبینہ جرم سنگین نوعیت کا ہو۔ اہم بات یہ ہے کہ قانون میں واضح طور پر یہ پابندی عائد ہونی چاہیے کہ متعلقہ عدالتی حکام حراست سے متعلق اپنے فیصلوں کی وجوہات تحریری طور پر بیان کرنے کے پابند ہوں۔

☆ ہائی کورٹس کی نگرانی میں ضلعی اور ذیلی ضلعی سطح پر کام کرنے والے مجسٹریٹ اور ٹرائل کورٹس کو آزادانہ طور پر کام کرنے کی اجازت دی جانی چاہیے، تاکہ وہ کسی انتقامی کارروائی کے خوف کے بغیر اور قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے اختیارات استعمال کر سکیں۔ انہیں اپنے فیصلے معقول قانونی وجوہات کی بنیاد پر کرنے کی آزادی حاصل ہونی چاہیے۔

☆ ٹرائل کورٹس کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے کہ اگر مقدمے کی فائل کے ابتدائی جائزے سے یہ ظاہر ہو کہ ملزم کے خلاف کافی شواہد موجود نہیں ہیں تو وہ ابتدائی مرحلے ہی پر ملزم کو مقدمے سے بری یا الزامات سے آزاد کر دیں۔

☆ استغاثہ کے ادارے کو ایک حقیقی معنوں میں خودمختار ادارہ بنایا جائے، جو انتظامیہ اور عدلیہ دونوں کے دباؤ سے آزاد ہو اور صرف مفادِ عامہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی ذمہ داریاں انجام دے۔

☆ استغاثہ سے یہ توقع نہیں کی جانی چاہیے کہ وہ ضمانت کی ہر درخواست کی مخالفت کرے۔ اسے مقدمے کے حقائق اور قانونی بنیادوں کی روشنی میں اپنا مؤقف اختیار کرنا چاہیے اور جہاں کامیاب استغاثہ کی کوئی معقول توقع موجود نہ ہو، وہاں مقدمے کے کسی بھی مرحلے پر استغاثہ واپس لینے کے اپنے قانونی اختیارات استعمال کرنے چاہئیں۔

☆ معمولی نوعیت کے جرائم کے لیے قانون میں پہلے سے موجود استغاثہ کے متبادل طریق کار کو زیادہ سے زیادہ مؤثر انداز میں استعمال کیا جائے اور ان کا دائرہ کار بھی وسیع کیا جائے، تاکہ افراد کو غیر ضروری طور پر قید میں رکھنے کے واقعات کم سے کم کیے جا سکیں۔

☆ استغاثہ کے ادارے کو اس کی کارکردگی اور فرائض کی انجام دہی کے حوالے سے جواب دہ بنایا جائے۔ اس مقصد کے لیے قانون کے ذریعے ایک مناسب اور مؤثر فورم قائم کیا جانا چاہیے، جو اس کے احتساب کو یقینی بنائے۔

☆ قانون میں ترمیم کی جائے تاکہ ملزمان کو یہ قانونی حق حاصل ہو کہ وہ استغاثہ اور تحقیقاتی اداروں کے خلاف ہرجانے کا دعویٰ دائر کر سکیں اور جیل میں گزارے گئے وقت کے عوض مناسب معاوضہ حاصل کر سکیں۔

☆ استغاثہ کے ادارے کو پولیس کے ساتھ مل کر اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے کہ وہ ذہنی بیماری یا منشیات کی لت میں مبتلا افراد کی بروقت نشاندہی کرے اور ایسے متاثرہ افراد کو جیل بھیجنے کے بجائے مناسب طبی علاج یا دیگر متعلقہ نگہداشت اور بحالی کی سہولیات فراہم کی جائیں۔

☆ وفاقی اور صوبائی قوانین میں واضح طور پر یہ درج کیا جائے کہ تمام مجرموں کو پروبیشن اور پیرول کے لیے زیرِ غور لائے جانے کا قانونی حق حاصل ہے۔ متعلقہ قوانین میں ایسا طریق کار وضع کیا جائے جس کے تحت ہر مجرم مجاز اتھارٹی کو پروبیشن یا پیرول کے لیے درخواست دے سکے، اور یہ بھی لازمی قرار دیا جائے کہ متعلقہ اتھارٹی ہر درخواست پر غور کرے اور اس کے بارے میں فیصلہ کرے۔

☆ پروبیشن آف آفینڈرز آرڈیننس 1960 میں ترمیم کی جائے تاکہ تمام اقسام کے فوجداری جرائم میں پروبیشن کی سہولت فراہم کی جا سکے۔ اس کے علاوہ پروبیشن کی زیادہ سے زیادہ مدت میں بھی توسیع کی جائے۔

☆ پروبیشن آف آفینڈرز ایکٹ 1926 اور پروبیشن آف آفینڈرز آرڈیننس 1960 میں پروبیشن اور پیرول افسران کے فرائض واضح طور پر متعین کیے جائیں، تاکہ پروبیشن اور پیرول پر رہنے والے افراد کو بحالی اور اصلاح کی خدمات فراہم کرنے کو یقینی بنایا جا سکے۔ ان خدمات میں ضرورت کے مطابق نفسیاتی و سماجی معاونت، منشیات کی لت سے نجات کے لیے بحالی کی سہولیات اور فنی و پیشہ ورانہ تربیت شامل ہونی چاہیے۔

☆ قیدیوں کو زیادہ سے زیادہ ابتدائی مرحلے پر پیرول پر رہائی کا اہل قرار دیا جائے۔ کسی بھی قانون یا ضابطے میں سزا کی ایسی کم از کم مدت مقرر نہیں ہونی چاہیے جسے پورا کرنا پیرول پر رہائی کے لیے لازمی شرط ہو۔

☆ وفاقی اور صوبائی حکومتیں ایسے بحالی مراکز قائم کریں جہاں تربیت یافتہ عملہ تعینات ہو، تاکہ متاثرہ افراد کو نفسیاتی و سماجی معاونت، منشیات کی لت سے نجات کے لیے بحالی کی سہولیات اور فنی و پیشہ ورانہ تربیت فراہم کی جا سکے۔ بحالی کے عمل میں کمیونٹی سروس کو بھی شامل کیا جائے۔

☆ وفاقی اور صوبائی حکومتیں مناسب تعداد میں پروبیشن اور پیرول افسران بھرتی کریں اور انہیں مطلوبہ بجٹ، وسائل اور سہولیات فراہم کریں، تاکہ وہ پروبیشن اور پیرول پر رہنے والے افراد کی مؤثر نگرانی، رہنمائی اور مشاورت کی ذمہ داریاں انجام دے سکیں۔

☆ جج صاحبان کو پروبیشن کی اہمیت اور افادیت کے حوالے سے باقاعدگی سے تربیت فراہم کی جائے۔ عدالتی اکیڈمیاں، ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ جج صاحبان کو اس بات کی ترغیب دیں کہ سزا سنائے جانے کے بعد جہاں بھی ممکن ہو، زیادہ سے زیادہ مقدمات میں قید کی سزا کے متبادل کے طور پر پروبیشن کا استعمال کریں۔

☆ وفاقی اور صوبائی حکومتیں عدلیہ کے لیے سزا سنانے سے قبل رہنما اصول جاری کریں۔ ان رہنما اصولوں میں واضح کیا جائے کہ کن حالات اور عوامل کے تحت جج صاحبان قید کی سزا دینے کے بجائے پروبیشن کی سہولت فراہم کریں۔

☆ تمام پروبیشن اور پیرول افسران کو مشاورت اور رہنمائی فراہم کرنے کے لیے مناسب تربیت دی جائے۔ افسران کی تربیت کے ذریعے ان میں سزا دینے اور تعزیری رویے کے بجائے علاج، اصلاح اور بحالی پر مبنی سوچ کو فروغ دیا جائے۔

☆ بچوں کو جیلوں میں رکھنے کے خاتمے کے لیے قانون میں فراہم کردہ خصوصی اقدامات کو بامعنی اور مؤثر انداز میں نافذ کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ بچوں کو سزا دینے کے متبادل طریق کار اختیار کیے جائیں اور بالخصوص 16 سے 18 سال کی عمر کے نوعمر افراد بھی قانون کے تحت دستیاب ان سہولیات اور حفاظتوں سے مستفید ہو سکیں۔

ایچ آر سی پی کے پالیسی بیپر ''جیل کی دیواروں سے آگے: پاکستان کی جیلوں میں گنجائش سے زیادہ قیدیوں کی تعداد میں کمی لانے کے لیے اصلاحات'' سے ماخوذ

عاصمہ جہانگیر کی توہین یا ہمارے اجتماعی ضمیر کا امتحان؟

شخصی تضحیک، مذہبی تعصب اور انتہا پسندی کے بڑھتے ہوئے رجحانات پاکستان کے مستقبل کے لیے ایک سنگین سوال

چودھری طارق نذیر

پاکستان ایک ایسا ملک ہے جس کی بنیاد ایک ایسے معاشرے کے تصور پر رکھی گئی تھی جہاں شہریوں کو مذہب، عقیدے، زبان، نسل اور سماجی حیثیت سے قطع نظر عزت، تحفظ اور مساوی حقوق حاصل ہوں۔ لیکن افسوس کہ آج ہمارے ہاں اختلافِ رائے کو برداشت کرنے، انسانی وقار کا احترام کرنے اور شہری آزادیوں کو تسلیم کرنے کا رویہ کمزور ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ مذہبی اختلافات کو ذاتی دشمنی میں بدل دینا، کسی کے عقیدے کو اس کی تمام تر انسانی خدمات سے زیادہ اہمیت دینا اور مخالف نقطہ نظر رکھنے والوں کو تضحیک کا نشانہ بنانا ایک ایسا رجحان ہے جو کسی بھی مہذب معاشرے کے لیے خطرے کی گھنٹی ہونا چاہیے۔

حالیہ دنوں میں کیپٹن (ر) صفدر کی جانب سے ایک عوامی اجتماع میں پاکستان کی معروف قانون دان، انسانی حقوق کی علمبردار اور بین الاقوامی شہرت یافتہ شخصیت عاصمہ جہانگیر کے بارے میں جس قسم کے توہین آمیز الفاظ استعمال کیے گئے، وہ محض ایک فرد کے خلاف غیر شائستہ گفتگو کا معاملہ نہیں۔ اس واقعے نے ہمارے معاشرے میں برداشت، رواداری، مذہبی تعصب اور انسانی وقار کے حوالے سے کئی بنیادی سوالات کو دوبارہ زندہ کر دیا ہے۔

یہاں بنیادی سوال یہ نہیں کہ عاصمہ جہانگیر کے سیاسی، سماجی یا مذہبی خیالات سے کسی کو اختلاف تھا یا نہیں۔ اختلاف ہر شہری کا حق ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اختلاف کے اظہار کے لیے کسی مرحوم خاتون کی کردار کشی، تضحیک اور ان کی مذہبی شناخت کو نشانہ بنانا ضروری ہے؟ کیا کسی شخص کی پوری زندگی کی خدمات کو نظر انداز کر کے اس کے بارے میں نفرت انگیز زبان استعمال کرنا سیاسی یا مذہبی اظہار کا قابلِ قبول طریقہ قرار دیا جا سکتا ہے؟

میرے نزدیک یہ عاصمہ جہانگیر کی توہین سے کہیں بڑھ کر پاکستان کی قانونی، سماجی اور انسانی حقوق کی برادری کے لیے ایک چیلنج ہے۔

عاصمہ جہانگیر: پاکستان کی بین الاقوامی شناخت

عاصمہ جہانگیر محض ایک وکیل یا سیاسی کارکن نہیں تھیں۔ وہ پاکستان کی ان چند شخصیات میں شامل تھیں جنہوں نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کو انسانی وقار، قانون کی بالادستی، انصاف اور بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے وقف کر دیا۔

انہوں نے اپنی جدوجہد کا آغاز ایسے وقت میں کیا جب پاکستان میں خواتین کے حقوق، شہری آزادیوں اور جمہوری اقدار کی بات کرنا آسان نہیں تھا۔ انہوں نے آمریت کے خلاف آواز اٹھائی، خواتین کے امتیازی قوانین کے خلاف جدوجہد کی، کمزور طبقات کو قانونی معاونت فراہم کی اور ان لوگوں کے مقدمات لڑے جن کی آواز اقتدار کے ایوانوں تک نہیں پہنچتی تھی۔

1980ء میں پنجاب ویمن لائرز ایسوسی ایشن کے قیام اور 1985ء میں ویمنز ایکشن فورم کی تشکیل میں ان کا کردار اہم تھا۔ 1986ء میں قائم ہونے والے ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے ساتھ بھی ان کی وابستگی رہی۔ انہوں نے 1987ء میں اپنی بہن حنا جیلانی کے ساتھ اے جی ایچ ایس لیگل ایڈ سیل قائم کیا، جس کا مقصد ضرورت مند اور بے وسیلہ افراد کو مفت قانونی معاونت فراہم کرنا تھا۔

وہ سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کی پہلی خاتون صدر منتخب ہوئیں۔ یہ محض ایک عہدہ نہیں بلکہ پاکستانی عدالتی اور قانونی تاریخ میں خواتین کی پیش رفت کا ایک اہم سنگِ میل تھا۔

ان کی خدمات کا اعتراف صرف پاکستان تک محدود نہیں رہا۔ اقوام متحدہ نے انہیں ماورائے عدالت قتل اور بعد ازاں مذہب یا عقیدے کی آزادی کے حوالے سے خصوصی نمائندہ مقرر کیا۔ انہوں نے عالمی سطح پر انسانی حقوق کے معاملات میں پاکستان کی نمائندگی کی اور دنیا کے مختلف اداروں میں اپنی علمی اور عملی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔

ییل لا اسکول نے انہیں عالمی انصاف اور خواتین کے حقوق کے حوالے سے انسانی حقوق کی ممتاز رہنما قرار دیا۔ انہیں متعدد بین الاقوامی اعزازات سے بھی نوازا گیا۔

یہ وہ خدمات ہیں جنہیں کسی ایک سیاسی، مذہبی یا نظریاتی اختلاف کی بنیاد پر مٹایا نہیں جا سکتا۔

جن کے لیے آواز اٹھائی، وہ کون لوگ تھے؟

عاصمہ جہانگیر کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو یہ تھا کہ انہوں نے اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے حقوق کے لیے جدوجہد کی۔

انہوں نے اینٹوں کے بھٹوں پر کام کرنے والے جبری مشقت کے شکار مزدوروں کے مقدمات لڑے۔ ان خواتین کی مدد کی جو گھریلو تشدد، طلاق، جبری شادی اور سماجی ناانصافی کا شکار تھیں۔ بچوں کے حقوق اور جیلوں میں قید کم عمر افراد کے مسائل پر آواز اٹھائی۔ مذہبی اقلیتوں کے خلاف امتیازی سلوک کے معاملات میں قانونی جدوجہد کی۔

ان کی نظر میں انسانی حقوق کسی خاص طبقے، مذہب یا سیاسی جماعت کی میراث نہیں تھے۔ ان کے نزدیک انسان ہونے کی حیثیت سے ہر فرد عزت، تحفظ اور انصاف کا مستحق تھا۔

یہی وجہ ہے کہ ان کی جدوجہد کو صرف ایک سیاسی نظریے کے خانے میں بند نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ کھڑی ہوئیں جن کے پاس طاقت نہیں تھی، جنہیں معاشرے میں سنا نہیں جاتا تھا اور جو اپنے بنیادی حقوق کے حصول کے لیے کسی مضبوط آواز کے محتاج تھے۔ کسی شخص کی زندگی کا اصل تعارف اس کے الفاظ سے زیادہ اس کے عملی کردار سے ہوتا ہے۔ عاصمہ جہانگیر کی زندگی اس بات کی گواہ ہے کہ انہوں نے اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتیں کمزور اور محروم انسانوں کے لیے وقف کر دیں۔

مذہبی اختلاف یا شہری حقوق کی نفی؟

اس واقعے کا ایک نہایت اہم اور تشویش ناک پہلو یہ ہے کہ عاصمہ جہانگیر کے خلاف گفتگو میں ان کی مذہبی شناخت اور ایک مخصوص مذہبی برادری سے تعلق کے حوالے بھی دیے گئے۔

یہاں ایک بنیادی اصول سمجھنے کی ضرورت ہے: کسی شہری کے مذہبی عقائد سے اختلاف کا حق اپنی جگہ، لیکن اس کے بنیادی انسانی اور شہری حقوق اس اختلاف کی وجہ سے ختم نہیں ہو جاتے۔

پاکستان کثیر المذاہب معاشرہ ہے۔ یہاں مسلمان، مسیحی، ہندو، سکھ، احمدی اور دیگر مذہبی برادریوں سے تعلق رکھنے والے شہری آباد ہیں۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام شہریوں کی جان، مال، عزت اور قانونی تحفظ کو یقینی بنائے۔

احمدی برادری کے آئینی اور مذہبی تشخص سے متعلق پاکستان میں ایک مخصوص قانونی و آئینی صورتِ حال موجود ہے۔ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی یہ اصول اپنی جگہ برقرار رہتا ہے کہ کسی بھی شہری کو تشدد، تضحیک، نفرت انگیزی یا قانون سے ماورا امتیازی سلوک کا نشانہ نہیں بنایا جا سکتا۔

عاصمہ جہانگیر نے ماضی میں بھی احمدی کمیونٹی کے خلاف نفرت انگیز بیانات پر آواز اٹھائی تھی۔ اکتوبر 2017ء میں جب کیپٹن صفدر نے قومی اسمبلی میں احمدیوں کے خلاف سخت اور امتیازی گفتگو کی تو عاصمہ جہانگیر نے اسے ناقابل قبول قرار دیتے ہوئے سیاسی قیادت سے نوٹس لینے کا مطالبہ کیا تھا۔ اس وقت انہوں نے خبردار کیا تھا کہ اگر معاشرہ ایسے رویوں پر خاموش رہا تو نفرت کو معمول سمجھ لیا جائے گا۔

آج اسی تناظر میں ایک سوال پھر ہمارے سامنے ہے: کیا کسی مذہبی برادری کے حقوق کے لیے آواز اٹھانا جرم ہے؟ کیا کسی شہری کے ساتھ امتیازی سلوک کی مخالفت کرنا اس کے اپنے مذہبی عقیدے کے خلاف ثبوت کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے؟

انسانی حقوق کا بنیادی تصور ہی یہ ہے کہ حقوق کا تعین کسی فرد کی مذہبی شناخت یا اکثریت کے پسندیدہ عقائد کی بنیاد پر نہیں ہوتا۔ اگر ہم اس اصول کو تسلیم نہیں کرتے تو پھر انسانی حقوق کی بات محض ایک نعرہ بن کر رہ جاتی ہے۔

آئین پاکستان اور مساوی شہریت کا تصور

پاکستان کا آئین شہریوں کو بنیادی حقوق کی ضمانت دیتا ہے۔

آرٹیکل 19 اظہارِ رائے کی آزادی تسلیم کرتا ہے، اگرچہ اس پر آئین میں بیان کردہ قانونی پابندیاں بھی لاگو ہوتی ہیں۔ آرٹیکل 20 ہر شہری کو قانون، امنِ عامہ اور اخلاقیات کے تابع اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کا حق دیتا ہے۔

آرٹیکل 25 واضح کرتا ہے کہ تمام شہری قانون کی نظر میں برابر ہیں اور قانون کے مساوی تحفظ کے مستحق ہیں۔

ان دفعات کا مطالعہ ہمیں یہ سمجھاتا ہے کہ پاکستان کے آئینی نظام میں شہریوں کے حقوق اور ریاست کی ذمہ داریوں کا ایک واضح تصور موجود ہے۔ اظہارِ رائے کی آزادی کسی کو یہ غیر محدود اجازت نہیں دیتی کہ وہ دوسروں کی تذلیل کرے، ان کے خلاف نفرت کو ہوا دے یا کسی مذہبی برادری کو اجتماعی طور پر مشکوک اور ناقابلِ قبول قرار دے۔ اسی طرح اختلافِ رائے رکھنے والے افراد کے خلاف قانونی یا سماجی انتقام بھی کسی مہذب معاشرے کی علامت نہیں ہوسکتا۔

بین الاقوامی انسانی حقوق کے معیارات

پاکستان نے 2010ء میں بین الاقوامی معاہدہ شہری و سیاسی حقوق (آئی سی سی پی آر) کی توثیق کی۔ اس معاہدے میں مذہبی آزادی، اظہارِ رائے، مساوات اور امتیازی سلوک سے تحفظ کے بنیادی اصول شامل ہیں۔

اس کے آرٹیکل 18 میں مذہب اور عقیدے کی آزادی، آرٹیکل 19 میں اظہارِ رائے کی آزادی اور آرٹیکل 26 میں قانون کے سامنے مساوات اور بلاامتیاز قانونی تحفظ کی ضمانت بیان کی گئی ہے۔

آرٹیکل 26 کے مطابق تمام افراد قانون کے سامنے برابر ہیں اور مذہب سمیت کسی بھی بنیاد پر امتیازی سلوک کے خلاف مساوی تحفظ کے حق دار ہیں۔

یہ اصول صرف قانونی دستاویزات تک محدود نہیں بلکہ ایک مہذب معاشرے کی اخلاقی بنیاد بھی ہیں۔ ان کا تقاضا ہے کہ اختلاف رکھنے والے انسان کو بھی وہی احترام دیا جائے جس کا ہم اپنے لیے مطالبہ کرتے ہیں۔

نفرت کی سیاست اور پاکستان کا مستقبل

ہمارے معاشرے کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ سیاسی اور مذہبی اختلافات کو اکثر ذاتی دشمنی میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ کسی کے نظریات سے اختلاف ہو تو اس کی کردار کشی شروع ہو جاتی ہے۔ کسی کی مذہبی شناخت مختلف ہو تو اس کی حب الوطنی مشکوک قرار دے دی جاتی ہے۔ کسی خاتون نے اپنے حقوق کی بات کی ہو تو اس کے کردار اور شخصی زندگی کو موضوعِ بحث بنالیا جاتا ہے۔

یہ رویہ محض بدزبانی نہیں بلکہ ایک خطرناک سماجی ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے۔

پاکستان پہلے ہی دہشت گردی، مذہبی انتہا پسندی، معاشی عدم استحکام، سیاسی عدم برداشت اور سماجی تقسیم جیسے سنگین مسائل سے دوچار ہے۔ ایسے حالات میں ذمہ دار سیاسی، مذہبی اور سماجی شخصیات کا فرض ہے کہ وہ معاشرے میں تحمل، مکالمے اور باہمی احترام کو فروغ دیں۔ جب عوامی اثر و رسوخ رکھنے والے افراد اپنے الفاظ میں احتیاط نہیں کرتے تو ان کے رویوں کے اثرات عام معاشرے تک منتقل ہوتے ہیں۔ بالخصوص نوجوان نسل یہ تاثر لیتی ہے کہ اختلاف کا جواب دلیل سے نہیں بلکہ تضحیک اور نفرت سے دینا قابلِ قبول ہے۔

یہ طرزِ فکر کسی بھی ملک کے سماجی ڈھانچے کو کمزور کر سکتا ہے۔ جس معاشرے میں لوگ اپنے عقیدے، شناخت یا نقطہ نظر کے اظہار سے خوف محسوس کرنے لگیں، وہاں تخلیقی صلاحیتیں، علمی ترقی، سماجی ہم آہنگی اور جمہوری اقدار پنپ نہیں سکتیں۔

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ آج اگر کسی ایک مذہبی برادری کو نشانہ بنایا جا رہا ہے اور باقی معاشرہ خاموش ہے تو کل یہی رویہ کسی دوسرے طبقے کے خلاف بھی استعمال ہوسکتا ہے۔ انسانی حقوق کی حفاظت اسی وقت ممکن ہے جب ہم ان کے لیے اس وقت بھی آواز اٹھائیں جب متاثرہ شخص ہمارا ہم خیال نہ ہو۔

اختلاف کا حق، تضحیک کا نہیں

یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ عاصمہ جہانگیر تنقید سے بالاتر کوئی شخصیت نہیں تھیں۔ ان کے سیاسی مؤقف، عدالتی آرا، سماجی نظریات یا کسی بھی معاملے پر ان سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ کسی بھی جمہوری معاشرے میں کسی شخصیت کو سوالات سے بالاتر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن اختلاف اور تضحیک میں بنیادی فرق ہے۔

تنقید دلیل، شواہد اور علمی مکالمے سے ہوتی ہے۔ تضحیک کا مقصد کسی شخص کی عزتِ نفس کو مجروح کرنا ہوتا ہے۔ تنقید معاشرے میں شعور پیدا کرتی ہے، جبکہ نفرت انگیز زبان معاشرے کو تقسیم کرتی ہے۔ کسی مرحوم شخصیت کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے تو اس اخلاقی ذمہ داری کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے کہ وہ اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے موجود نہیں ہوتی۔ اس لیے ایسے موقع پر الفاظ کا انتخاب اور بھی زیادہ محتاط ہونا چاہیے۔

پاکستان بار کونسل اور سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کی جانب سے حالیہ بیانات کی مذمت بھی اسی اصول کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ دونوں اداروں نے اس امر پر زور دیا کہ اختلاف کو ذاتی حملوں، مذہبی عدم برداشت اور کردار کشی کا ذریعہ نہیں بننا چاہیے۔ یہ ردعمل صرف عاصمہ جہانگیر کے احترام کا معاملہ نہیں بلکہ قانونی برادری کے اس اجتماعی مؤقف کی عکاسی کرتا ہے کہ قانون اور انسانی وقار ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے۔

ہمیں کس قسم کا پاکستان چاہیے؟

آج ہمیں اپنے آپ سے یہ سوال کرنا ہوگا کہ ہم آنے والی نسلوں کے لیے کس قسم کا پاکستان چھوڑنا چاہتے ہیں؟ ایک ایسا پاکستان جہاں شہریوں کی عزت ان کے عقیدے، مسلک اور نظریے کی بنیاد پر طے ہو؟ یا ایک ایسا پاکستان جہاں اختلاف کے باوجود انسان کی عزت اور بنیادی حقوق محفوظ رہیں؟

ہمیں ایسا پاکستان درکار ہے جہاں ایک مسیحی ڈاکٹر، ایک ہندو استاد، ایک احمدی سائنس دان، ایک مسلمان وکیل اور کسی بھی دوسرے مذہب سے تعلق رکھنے والا شہری اپنے ملک کی ترقی میں یکساں طور پر حصہ لے سکے۔ جہاں کسی خاتون کو اس کی آزادانہ سوچ کی وجہ سے تضحیک کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ جہاں کسی مزدور، بچے یا کمزور فرد کے حقوق کے لیے آواز اٹھانا سیاسی یا مذہبی مخالفت تصور نہ ہو۔ ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہوگا کہ ریاستیں صرف جغرافیائی سرحدوں سے مضبوط نہیں ہوتیں۔ ان کی اصل طاقت انصاف، قانون کی حکمرانی، شہریوں کے باہمی اعتماد اور معاشرتی رواداری میں ہوتی ہے۔ عاصمہ جہانگیر کی زندگی ہمیں یہی سبق دیتی ہے کہ انسانی حقوق کا دفاع اس وقت زیادہ اہم ہو جاتا ہے جب متاثرہ شخص کمزور ہو، تنہا ہو یا معاشرے کی اکثریت اس کے خلاف کھڑی ہو۔ ان کی خدمات کا اعتراف کرنے کا بہترین طریقہ محض تعریفی جملے ادا کرنا نہیں بلکہ ان اصولوں کی حفاظت کرنا ہے جن کے لیے انہوں نے اپنی زندگی وقف کی۔

اختتامیہ: خاموشی بھی ایک سوال ہے

عاصمہ جہانگیر اب ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں، لیکن ان کی جدوجہد، ان کے مقدمات، ان کی تحریریں اور ان کے اٹھائے ہوئے سوالات آج بھی ہمارے سامنے ہیں۔ کسی شخص کے انتقال کے بعد اس کی سیاسی یا نظریاتی مخالفت ختم ہونا ضروری نہیں، لیکن انسانی احترام اور اخلاقی حدود برقرار رہنی چاہئیں۔

کیپٹن صفدر کے حالیہ ریمارکس پر ہونے والی تنقید کو کسی سیاسی جماعت یا شخصیت کی حمایت اور مخالفت کے تناظر میں نہیں دیکھنا چاہیے۔ یہ پاکستان کے اجتماعی ضمیر، انسانی وقار اور معاشرتی رواداری کا معاملہ ہے۔ ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہم دلیل کی طاقت پر یقین رکھتے ہیں یا نفرت کی زبان کو اپنا ہتھیار بنانا چاہتے ہیں۔ ہم اختلاف کو برداشت کرنے والے معاشرے کی تعمیر چاہتے ہیں یا ایک دوسرے کو مذہبی اور نظریاتی بنیادوں پر تقسیم کرنے کے خواہش مند ہیں۔ ایک مہذب معاشرے کی پہچان یہ نہیں کہ وہاں سب لوگ ایک جیسا سوچتے ہیں، بلکہ یہ ہے کہ مختلف سوچ رکھنے والے لوگ بھی ایک دوسرے کے حقوق اور عزت کا احترام کرتے ہیں۔

عاصمہ جہانگیر کی توہین صرف ایک فرد کی توہین نہیں، بلکہ اس جدوجہد اور اس نظریے کی توہین ہے جو ہر انسان کو عزت، آزادی اور انصاف کا مستحق سمجھتا ہے۔ اگر پاکستان کو ایک پُرامن، مضبوط، ترقی یافتہ اور باوقار ریاست بنانا ہے تو ہمیں مذہبی تعصب، تنگ نظری، انتہا پسندی اور نفرت انگیز طرزِ گفتگو کے خلاف واضح سماجی اور اخلاقی مؤقف اختیار کرنا ہوگا۔ کیونکہ قومیں اختلاف سے تباہ نہیں ہوتیں، بلکہ اس وقت تباہی کی طرف بڑھتی ہیں جب اختلاف کرنے والوں کو دشمن سمجھ لیا جائے۔

چوہدری طارق نذیر (قلمی نام: طارق شیلے) محقق، کالم نگار اور مصنف ہیں۔ آپ انسانی حقوق انصاف، معاشیات اور سماجی موضوعات پر مستقل لکھتے ہیں۔ ان سے
m.bluestar@yahoo.com
پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

مصنوعی ذہانت اور انسانی حقوق

اسرارالدین اسرار

ہم ایک ایسی دنیا میں داخل ہو چکے ہیں جہاں فیصلے اب صرف عدالتوں، ایوانوں اور سرکاری دفاتر میں نہیں ہوتے بلکہ کمپیوٹر کے چند احکامات اور کوڈ کی چند سطروں کے ذریعے بھی ہونے لگے ہیں۔ مصنوعی ذہانت نے طب، تعلیم، تحقیق، صنعت اور روزمرہ زندگی میں بے شمار آسانیاں پیدا کی ہیں، لیکن اس ترقی نے انسانی حقوق کے تحفظ سے متعلق نئے اور پیچیدہ سوالات بھی جنم دیے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ نہیں کہ مشینیں ذہین ہو رہی ہیں، بلکہ یہ ہے کہ انسان اپنی تخلیق کردہ ٹیکنالوجی کو کتنے اختیارات دے رہا ہے اور اس کے فیصلوں کی نگرانی کون کرے گا۔ اگر کسی مشین کے فیصلے سے کسی شہری کی آزادی، عزت، روزگار یا زندگی متاثر ہو تو اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی؟ یہی وہ بنیادی سوال ہے جسے نظرانداز کر کے ٹیکنالوجی کی ترقی کو انسانی فلاح کی ضمانت نہیں بنایا جا سکتا۔

انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے کا آرٹیکل 12 ہر شخص کی نجی زندگی، خاندان، گھر اور خط و کتابت میں غیر ضروری مداخلت سے تحفظ فراہم کرتا ہے۔ تاہم چہرہ شناسی، بائیومیٹرک شناخت اور ڈیجیٹل نگرانی کے جدید نظاموں نے اس حق کو سنگین خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔ اب کسی شخص کی نقل و حرکت، رابطوں اور آن لائن سرگرمیوں سے متعلق وسیع معلومات جمع کر کے اس کے رویوں اور ترجیحات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جب شہری کو یہ احساس ہو کہ اس کی ہر سرگرمی پر نظر رکھی جا رہی ہے تو وہ احتجاج کرنے، حکومت پر تنقید کرنے اور آزادانہ رائے دینے سے بھی گریز کر سکتا ہے۔ یوں نگرانی کا خوف خود سنسرشپ کو جنم دیتا ہے۔ مسئلہ صرف معلومات جمع کرنے کا نہیں، بلکہ ان کے غلط استعمال، غیر مجاز نگرانی اور شہریوں کو ان کے علم اور رضامندی کے بغیر مختلف زمروں میں تقسیم کرنے کا بھی ہے۔

مصنوعی ذہانت سے وابستہ دوسرا بڑا خطرہ الگورتھمک تعصب ہے۔ یہ نظام انسانی تعصّبات سے بالاتر نہیں ہوتے بلکہ اکثر انہی اعداد و شمار سے سیکھتے ہیں جو معاشرے میں پہلے سے موجود امتیاز کی عکاسی کرتے ہیں۔ امریکہ میں مجرمانہ مقدمات کے ملزمان کے مستقبل کے خطرات کا اندازہ لگانے والے COMPAS نظام پر ProPublica کی 2016 کی تحقیق نے نسلی تعصب کے حوالے سے سنگین سوالات اٹھائے۔ اسی طرح ایمیزون کے ایک تجرباتی بھرتی نظام نے ماضی کے ایسے اعداد و شمار سے سیکھنے کے باعث خواتین کے بعض کوائف کو کم اہمیت دی جن میں مرد امیدواروں کی اکثریت تھی۔ یہ مثالیں واضح کرتی ہیں کہ اگر مصنوعی ذہانت کو غیر منصفانہ معلومات پر تربیت دی جائے تو وہ ناانصافی کو ختم کرنے کے بجائے اسے مزید تیز اور وسیع پیمانے پر دہرا سکتی ہے۔ جب ملازمت، قرض، تعلیم یا انصاف جیسے بنیادی معاملات میں فیصلے ایسے نظاموں کے ذریعے ہونے لگیں جن کی منطق عام شہری کے لیے قابلِ فہم نہ ہو تو مساوات اور منصفانہ سلوک کا حق خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اس ٹیکنالوجی کا ایک اور خطرناک پہلو جعلی معلومات، ویڈیوز اور آوازوں کی تیاری ہے۔ مصنوعی ذہانت کے ذریعے کسی شخص کی ایسی ویڈیو بنائی جا سکتی ہے جس میں وہ بظاہر ایسے الفاظ کہتا دکھائی دے جو اس نے کبھی کہے ہی نہیں۔ فروری 2024 میں ہانگ کانگ میں ایک کمپنی کا ملازم مصنوعی ذہانت سے تیار کردہ جعلی ویڈیو اجلاس پر یقین کرتے ہوئے تقریباً 25.6 ملین امریکی ڈالر منتقل کر بیٹھا۔ یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے دھوکا دہی کس قدر حقیقت پسندانہ ہو سکتی ہے۔ یہی طریقے سیاسی مخالفین کو بدنام کرنے، انتخابات پر اثرانداز ہونے، مذہبی و فرقہ وارانہ نفرت پھیلانے اور عام شہریوں کی ساکھ تباہ کرنے کے لیے بھی استعمال ہو سکتے ہیں۔ جب جعلی مواد تیزی سے پھیل جائے تو اس کی تردید اکثر نقصان کا مکمل ازالہ نہیں کر پاتی۔ اس لیے ڈیجیٹل مواد کی تصدیق، ذرائع کی جواب دہی اور متاثرہ افراد کے لیے مؤثر قانونی چارہ جوئی ضروری ہے۔ خواتین اور بچوں کے لیے بھی مصنوعی ذہانت کے غلط استعمال کے سنگین خطرات موجود ہیں۔ خواتین کی تصاویر کو ان کی رضامندی کے بغیر تبدیل کر کے توہین آمیز مواد تیار کرنا، جعلی آوازوں کے ذریعے بلیک میل کرنا اور کردار کشی کرنا ڈیجیٹل تشدد کی ایسی شکلیں ہیں جن کے اثرات حقیقی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں۔ بچوں کو جعلی شناختوں کے ذریعے اعتماد میں لینا، ان کی نجی معلومات کا غلط استعمال اور مصنوعی ذہانت سے تیار کردہ جنسی استحصال پر مبنی مواد بھی انتہائی تشویش ناک مسائل ہیں۔ پاکستان جیسے معاشرے میں، جہاں سماجی بدنامی اور خاندانی دباؤ متاثرین کو خاموش رہنے پر مجبور کر سکتے ہیں، وہاں یہ خطرات مزید بڑھ جاتے ہیں۔ ضروری ہے کہ متاثرین کی شناخت اور وقار کا تحفظ کیا جائے، نقصان دہ مواد کے خلاف فوری کارروائی ہو اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو جدید ڈیجیٹل جرائم کی تحقیقات کے لیے مؤثر تربیت دی جائے۔ ٹیکنالوجی کے ذریعے ہونے والا تشدد بھی تشدد ہی ہے اور اس کے متاثرین کو انصاف ملنا چاہیے۔ مصنوعی ذہانت کے استعمال سے انسانی جان اور آزادی بھی متاثر ہو سکتی ہے۔ جدید جنگوں میں خودکار اور نیم خودکار ہتھیاروں، ڈرونز اور ہدف کی شناخت کرنے والے نظاموں کا استعمال اس بحث کو اہم بناتا ہے کہ زندگی اور موت کا فیصلہ کس حد تک مشینوں کے سپرد کیا جا سکتا ہے۔ غلط شناخت یا نامکمل معلومات کی بنیاد پر حملے بے گناہ شہریوں کی جان لے سکتے ہیں۔ بین الاقوامی انسانی قانون جنگ کے دوران بھی شہریوں کے تحفظ، احتیاط اور تناسب کے اصولوں پر عمل کا تقاضا کرتا ہے۔ اسی طرح پولیس اور عدالتی نظام میں مصنوعی ذہانت کے ذریعے مشتبہ افراد کی شناخت یا خطرات کا اندازہ لگانے میں غلطی کسی بے گناہ شخص کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ کوئی مشین اخلاقی اور قانونی ذمہ داری کا مکمل متبادل نہیں بن سکتی؛ اس لیے انسانی نگرانی، فیصلوں کی وضاحت اور مؤثر اپیل کا حق لازمی ہونا چاہیے۔ پاکستان جیسے خطوں میں مصنوعی ذہانت سے متعلق ایک اہم مسئلہ ڈیجیٹل عدم مساوات بھی ہے۔ اگر جدید تعلیم، روزگار، بینکاری اور سرکاری خدمات میں اس ٹیکنالوجی کا استعمال بڑھتا جائے، لیکن انٹرنیٹ، معیاری تعلیم اور ڈیجیٹل مہارتوں تک رسائی سب کو یکساں حاصل نہ ہو تو پہلے سے موجود معاشی اور سماجی تفاوت مزید گہرا ہو سکتا ہے۔ گلگت بلتستان جیسے دور افتادہ خطوں میں رابطے کے محدود وسائل اور تعلیمی سہولتوں کی کمی نوجوانوں کو ڈیجیٹل ترقی کے مواقع سے محروم کر سکتی ہے۔ اس کے علاوہ مقامی زبانوں، ثقافتی تنوع اور علاقائی ضروریات کو نظرانداز کرنے والے نظام بھی امتیاز کا باعث بن سکتے ہیں۔ ٹیکنالوجی کی ترقی اسی وقت بامعنی ہوگی جب اس کے فوائد معاشرے کے تمام طبقات تک پہنچیں اور کسی شہری کو غربت، جغرافیائی محل وقوع یا ڈیجیٹل وسائل کی کمی کے باعث بنیادی حقوق سے محروم نہ ہونا پڑے۔

دنیا میں ان خطرات سے نمٹنے کے لیے قانونی ضابطہ کاری کی کوششیں جاری ہیں۔ یورپی یونین نے 2024 میں مصنوعی ذہانت کا جامع قانون منظور کیا، جس میں خطرات کی مختلف سطحوں کے مطابق نظاموں کے استعمال پر پابندیاں اور ذمہ داریاں مقرر کی گئیں۔ پاکستان میں بھی مصنوعی ذہانت کے بڑھتے ہوئے استعمال کے پیش نظر ایسے قانونی اور پالیسی اقدامات ضروری ہیں جو نجی زندگی، ذاتی معلومات، آزادی اظہار اور مساوات کے حقوق کا تحفظ کریں۔ اس کے لیے شفافیت، جواب دہی، آزادانہ نگرانی اور انسانی نظر ثانی کو بنیادی اصول بنایا جائے۔ شہریوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کے بارے میں فیصلے کس بنیاد پر کیے جا رہے ہیں اور اگر کوئی فیصلہ غلط ہو تو وہ کہاں رجوع کر سکتے ہیں۔ محض ٹیکنالوجی متعارف کرانا کافی نہیں؛ اس کے استعمال کو انسانی حقوق کے عالمی اصولوں کے مطابق بنانا بھی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

مصنوعی ذہانت نہ بذاتِ خود انسان کی دشمن ہے اور نہ ہی ہر مسئلے کا خودکار حل۔ اس کی افادیت کا انحصار اس بات پر ہے کہ اسے کن مقاصد کے لیے اور کن اصولوں کے تحت استعمال کیا جاتا ہے۔ یہی ٹیکنالوجی بیماریوں کی تشخیص، معیاری تعلیم، قدرتی آفات سے پیشگی آگاہی اور عوامی خدمات کی بہتری کا ذریعہ بن سکتی ہے، لیکن غیر ذمہ دارانہ استعمال کی صورت میں نگرانی، امتیاز، استحصال اور ناانصافی کو بھی فروغ دے سکتی ہے۔ اصل سوال یہ نہیں کہ مصنوعی ذہانت کو روکا جائے یا اسے بے لگام ترقی کرنے دی جائے، بلکہ یہ ہے کہ اس ترقی کی سمت کون متعین کرے گا۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ مشین معلومات کا تجزیہ تو کر سکتی ہے، مگر انسانی وقار، ہمدردی اور انصاف کے تقاضوں کا تعین صرف حسابی صلاحیت سے نہیں کیا جا سکتا۔ ترقی کا حقیقی پیمانہ مشینوں کی ذہانت نہیں بلکہ انسان کی آزادی، عزت اور تحفظ ہے۔ اگر آج ہم نے مصنوعی ذہانت کو مؤثر قوانین، اخلاقی اصولوں اور جواب دہی کے نظام کے تابع نہ کیا تو ممکن ہے کہ مستقبل میں ہمارے پاس زیادہ ذہین مشینیں تو ہوں، مگر انسان کے پاس اپنی آزادی اور حقوق کے تحفظ کے ذرائع کم پڑ جائیں۔ ٹیکنالوجی کو انسانی حقوق کے تابع ہونا چاہیے، انسانی حقوق کو ٹیکنالوجی کے تابع نہیں۔

لکھاری سماجی کارکن اور ایچ آر سی پی گلگت آفس کے کو آرڈینیٹر ہیں اور اکثر سماجی موضوعات پر مضامین لکھتے ہیں۔

شہروں سے آگے صحت کی سہولیات: صحت مند پاکستان کے لیے انسانی حق اور انسانی ہمدردی پر مبنی وژن

میمونہ سحر

صحت انسانی زندگی کی بنیادی ضروریات میں سے ایک ہے اور اس کا انسانی وقار، سماجی انصاف، انسانی حقوق اور مساوات سے گہرا تعلق ہے۔ کوئی بھی معاشرہ اس وقت تک پائیدار ترقی حاصل نہیں کر سکتا جب تک اس کی آبادی کا ایک بڑا حصہ بروقت اور قابلِ استطاعت طبی علاج تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔ پاکستان کے صوبہ پنجاب میں بنیادی مراکزِ صحت (BHUs)، دیہی مراکزِ صحت (RHCs)، تحصیل ہیڈکوارٹر ہسپتالوں (THQs)، ضلعی ہیڈکوارٹر ہسپتالوں (DHQs)، تدریسی ہسپتالوں، ڈسپنسریوں اور موبائل ہیلتھ کیئر سہولیات کا ایک وسیع نیٹ ورک موجود ہے۔ تاہم، اصل چیلنج صرف ہسپتالوں کی تعداد نہیں ہے بلکہ ان کی جغرافیائی تقسیم، طبی سہولیات کی استعداد، جدید ٹیکنالوجی کی دستیابی، تربیت یافتہ عملہ، ادویات کی فراہمی، ماہر ڈاکٹرز کی خدمات، ہنگامی طبی سہولیات اور عام لوگوں کی ضرورت کے وقت مناسب اور بروقت صحت کی سہولیات تک رسائی بھی اہم ہے۔

انسانی ہمدردی کی امداد سے مراد وہ معاونت ہے جو قدرتی آفات، ہنگامی حالات، وبائی امراض، تنازعات اور دیگر ایسے حالات سے متاثرہ افراد کو فراہم کی جاتی ہے جو انسانی زندگی اور وقار کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔ اس امداد میں پناہ گاہ، خوراک، صاف پانی، صفائی ستھرائی، تحفظ، نقل و حمل، ادویات اور صحت کی سہولیات شامل ہیں۔ اس لیے صحت کی سہولیات انسانی ہمدردی کی امداد کا ایک بنیادی اور اہم جزو ہیں۔

سیلاب، زلزلے، لینڈ سلائیڈنگ، وبائی امراض اور بڑے حادثات کے دوران لوگوں کو اچانک ہنگامی طبی امداد، سرجری، ادویات، حادثاتی و شدید زخمیوں کی طبی نگہداشت (Trauma Care) اور بیماریوں سے بچاؤ کی سہولیات کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ لہٰذا مضبوط نظامِ صحت کے لیے ضروری ہے کہ وہ معمول کے دنوں میں مؤثر انداز میں کام کرے اور قدرتی آفات یا دیگر ہنگامی حالات کے وقوع پذیر ہونے پر فوری اور مؤثر ردِعمل دینے کے لیے مناسب استعداد بھی رکھتا ہو۔

پنجاب میں صحت کی سہولیات کا ایک وسیع نیٹ ورک موجود ہے، لیکن محض کسی طبی مرکز یا ہسپتال کی موجودگی اس بات کی ضمانت نہیں کہ وہاں مکمل اور جامع علاج کی سہولیات بھی دستیاب ہوں۔ بنیادی صحت مرکز (BHU) بنیادی طبی خدمات فراہم کر سکتا ہے، لیکن اکثر وہاں انتہائی نگہداشت یونٹ (ICU)، ماہر ڈاکٹر، جدید تشخیصی آلات، بلڈ بینک یا پیچیدہ جراحی کی سہولیات موجود نہیں ہوتیں۔ ایسے مریض جنہیں خصوصی یا پیچیدہ علاج کی ضرورت ہو، انہیں عموماً گاؤں سے رورل ہیلتھ سینٹر (RHC)، تحصیل ہیڈکوارٹر ہسپتال (THQ) یا ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر ہسپتال (DHQ) اور بالآخر کسی بڑے شہر کے ہسپتال منتقل یا ریفر کیا جاتا ہے۔ اس صورتحال کے نتیجے میں بڑے شہروں اور دیہی یا پسماندہ علاقوں میں صحت کی سہولیات تک رسائی اور معیاری علاج کی دستیابی کے درمیان ایک نمایاں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔

لاہور اور دیگر بڑے شہروں کے ہسپتال جدید علاج اور ماہر ڈاکٹروں کی سہولیات فراہم کرتے ہیں، لیکن وہ آس پاس کے اضلاع سے آنے والے مریضوں کا بوجھ بھی برداشت کرتے ہیں۔ مریضوں کی زیادہ تعداد کے باعث ہسپتالوں میں شدید رش، بستروں کی کمی اور گھمبیر حالات پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ صورتحال صرف طبی عملے کی کارکردگی کا مسئلہ نہیں بلکہ دستیاب طبی سہولیات اور مریضوں کی تعداد کے درمیان فرق کی بھی عکاسی کرتی ہے۔ دوسری جانب، دیہی علاقوں کی آبادی کو اکثر ماہر ڈاکٹروں، ہنگامی طبی خدمات، جدید تشخیصی سہولیات، ضروری ادویات اور قابلِ اعتماد ذرائع نقل و حمل کی کمی کا سامنا رہتا ہے، جس کے نتیجے میں علاج میں خطرناک تاخیر اور مریضوں کے لیے اضافی مالی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔

موبائل ہسپتال اور موبائل ہیلتھ کیئر یونٹس ان محروم اور پسماندہ آبادیوں تک صحت کی سہولیات پہنچانے کے لیے ایک اہم اور مؤثر قدم ہیں جہاں طبی خدمات محدود ہیں۔ یہ یونٹس طبی معائنہ، بنیادی تشخیص، ویکسینیشن، ادویات، زچہ و بچہ کی صحت کی خدمات اور ہنگامی طبی امداد فراہم کر سکتے ہیں، خصوصاً قدرتی آفات اور ہنگامی حالات کے دوران۔

تاہم، موبائل ہسپتالوں کو مستقل طبی بنیادی ڈھانچے کا متبادل نہیں بلکہ معاون سمجھا جانا چاہیے۔ پنجاب کے دیہی اور پسماندہ علاقوں میں زیادہ مضبوط اور جدید ہسپتالوں کی ضرورت ہے۔ ضلعی سطح پر کم از کم ایک ایسا بڑا ہسپتال ہونا چاہیے جہاں ضروری ہنگامی اور خصوصی طبی خدمات، تربیت یافتہ ڈاکٹرز اور نرسز، جدید تشخیصی ٹیکنالوجی، ٹراما کیئر، آپریشن تھیٹرز، انتہائی نگہداشت کے یونٹس (ICU)، لیبارٹریز، خون کی فراہمی اور ضروری ادویات کی مسلسل دستیابی یقینی بنائی جا سکے۔

صحت کی سہولیات ان لوگوں کے لیے بھی قابلِ رسائی ہونی چاہئیں جو خطِ غربت سے نیچے یا معیارِ زندگی کی کم سطح پر زندگی گزار رہے ہیں اور مہنگے نجی علاج یا بار بار بڑے شہروں کا سفر کرنے کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے۔ انسانی ہمدردی پر مبنی صحت کا نظام اس بات کو یقینی بنائے کہ کسی شخص کی آمدنی یا جغرافیائی محلِ وقوع ضروری علاج کے حصول میں رکاوٹ نہ بنے۔ بزرگ افراد، خواتین، بچوں، معذور افراد اور معاشی طور پر کمزور خاندانوں کے لیے خصوصی توجہ اور سہولیات فراہم کی جانی چاہئیں۔

قدرتی آفات سے نمٹنے کی تیاری ان ضروریات کو مزید اہم بنا دیتی ہے۔ جو ہسپتال پہلے ہی اپنی مکمل یا تقریباً مکمل گنجائش کے مطابق کام کر رہے ہوں، ان کے لیے وبا، سیلاب، زلزلے یا بڑے پیمانے پر جانی نقصان کے کسی واقعے کے بعد اچانک بڑھ جانے والے مریضوں کی تعداد کو سنبھالنا مشکل ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہسپتالوں میں اضافی مریضوں کو فوری طور پر سنبھالنے کی گنجائش، تربیت یافتہ طبی عملہ، ہنگامی بستروں، ادویات کا مناسب ذخیرہ، آکسیجن، خون کی وافر فراہمی، ایمبولینسز، متبادل بجلی کا انتظام اور مؤثر ریفرل سسٹم موجود ہونا ضروری ہے۔

جغرافیائی معلوماتی ٹیکنالوجی (Geospatial Technology) ان طبی سہولیات کے خلا اور کمی کی نشاندہی کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ پاکستان ہیومینیٹیرین ہیلتھ GIS کے ذریعے ہسپتالوں، بنیادی مراکزِ صحت (BHUs)، دیہی مراکزِ صحت (RHCs)، تحصیل ہیڈکوارٹر ہسپتالوں (THQs)، ضلعی ہیڈکوارٹر ہسپتالوں (DHQs)، ایمبولینس اسٹیشنز، سڑکوں، پلوں، آبادی، ہسپتالوں میں دستیاب بستروں، انتہائی نگہداشت یونٹس (ICU) کی گنجائش، ماہر طبی خدمات اور قدرتی آفات کے خطرات سے متعلق معلومات کو ایک مربوط نظام میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

GIS ایسے علاقوں اور آبادیوں کی نشاندہی کر سکتا ہے جو مناسب اور معیاری طبی سہولیات سے بہت زیادہ فاصلے پر واقع ہیں، اور متعلقہ اداروں کو یہ تعین کرنے میں مدد دے سکتا ہے کہ کہاں مزید ہسپتال، طبی مراکز، عملہ، آلات اور دیگر ضروری وسائل فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔

آخرکار، پاکستان میں صوبائی سطح پر ایسا صحت کا نظام تشکیل دینے کی ضرورت ہے جو انسانی وقار، مساوات، رسائی اور ہنگامی حالات سے نمٹنے کی تیاری کے اصولوں پر مبنی ہو۔ بڑے شہروں کے ہسپتالوں کو مزید مضبوط بنایا جانا چاہیے، لیکن دیہی اور پسماندہ اضلاع کو بھی جدید، مناسب عملے سے مزین اور قابلِ استطاعت طبی سہولیات فراہم کی جانی چاہئیں۔

صحت کی سہولیات کا انحصار اس بات پر نہیں ہونا چاہیے کہ کوئی شخص کہاں رہتا ہے یا اس کی مالی استطاعت کتنی ہے۔ صحت کو انسانی حقوق، انسانی تحفظ اور انسانی وقار کا بنیادی جزو سمجھا جانا چاہیے،

میمونہ سحر جی آئی ایس اور آرٹیفیشل انٹیلی جنس کی ماہر، انسانی حقوق کی سرگرم کارکن ہیں، اور جغرافیائی ٹیکنالوجی، ڈیزاسٹر رسک مینجمنٹ، آثارِ قدیمہ اور ڈیجیٹل جدت طرازی کے شعبوں میں برسوں کا تجربہ رکھتی ہیں۔ ان سے

com.mamoonasaher_gis@hotmail

پر رابطہ کیا جا سکتا ہے

توہین مذہب کا مقدمہ حصول انصاف کا مقدمہ

ڈاکٹر الفریڈ چارلس

ملتان جیل میں مقید مبینہ توہین مذہب مقدمے میں نامزد ملزم جنید حفیظ عرصہ کئی سالوں سے سلاخوں کے پیچھے سے انصاف کا منتظر ہے۔یہ نہ صرف ہمارے فراہمی انصاف میں موجود خامیوں،غلطیوں،کوتاہیوں اور کمزوریوں کا جیتا جاگتا ثبوت ہے بلکہ ساتھ ہی اصل روداد بھی ہے کہ جب کسی پر توہین مذہب کا محض الزام ہی عائد ہوجائے تو اس پر کیا بیتی ہے۔ایسے اشخاص کی زندگی اجیرن ہونے کے ساتھ ساتھ کئی ایک سنگین مسائل سے بھی دوچار ہوجاتی ہے۔ان کی جانوں کو خطرات لاحق ہوجاتے ہیں اور وہ جنید حفیظ کی طرح کئی کئی سال پس زندگان زندگی کے قیمتی ماہ وسال گذار دیتے ہیں۔جنید سلیم کیس اس کی کلاسیکل مثال ہے جس سے کئی ایک حقائق سے ازخود پردہ اٹھ جاتا ہے۔ساتھ ہی ان گلوں شکوں سے بھی دنیا کو آگاہی مل جاتی ہے کہ کس طرح اس قانون کے بے جا اور غیر ضروری استعمال کا سلسلہ جاری ہے۔معمولی معمولی باتوں، ذاتی پرخاش و رنجوشوں، مقامی و محلے کی سطح کے جھگڑوں کو توہین مذہب کا رنگ ورخ دے دیا جاتا ہے۔اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ جس پر مبینہ توہین کا الزام لگ جائے اس کی زندگی کو شدید خطرات لاحق ہوجاتے ہیں۔اس کو تشدد کا نشانہ بنا کر ماردیا جاتا یا سرعام گولیوں کا نشانہ بنادیا جاتا ہے۔اگر شومئی قسمت وہ اس انجام سے بچ نکلے تو طویل عرصہ کی قید و بند اس کی منتظر ہوتی ہے۔

جنید حفیظ کیس کی جانب واپس لوٹیں تو یہ ایک پسماندہ علاقہ سے تعلق رکھنے والے نوجوان کی المناک و دکھ بھری کہانی ہے۔جنید سلیم کا تعلق ڈیرہ غازی خان کے علاقے راجن پور سے ہے۔اس قابل اور ہونہار نوجوان نے زمانہ طالب علمی سے اپنی ذہانت و قابلیت کا لوہا منوایا ہے۔جنید حفیظ نے انٹرمیڈیٹ پری میڈیکل کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا اور ضلع بھر میں سے اول پوزیشن حاصل کی اور طلائی میڈل کے حق دار ٹھہرے۔پنجاب کی مشہور زمانہ طبی درس گاہ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں سال اول کے طالب علم تھے تو ذہن میں آیا کہ میڈیکل کی تعلیم کے لئے وہ ناموزوں ہیں۔اس پر جنید نے طبی تعلیم کے حصول کا سلسلہ موقوف کر کے انگریزی ادب کی پڑھائی کو اپنایا اور اس میں نمایاں طور پر کامیابی حاصل کی۔اس کو امریکا سے اعلیٰ تعلیم کے لئے فل برائٹ وظیفہ بھی ملا۔اس نے انگریزی ادب میں امریکی ادارے جیکسن اسٹیٹ یونی ورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد وطن واپسی کا رخ کیا اور اپنے علمی شوق کے تحت ملتان کی بہاؤالدین یونی ورسٹی میں بطور وزیٹنگ لیکچرار درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔اعلیٰ تعلیم یافتہ جنید حفیظ اپنا کیریئر بنانے کے خواب سجائے یونی ورسٹی کے طلبہ کے ساتھ پڑھائی لکھائی میں مشغول ہوگیا۔اس کے ساتھ ساتھ وہ سماجی روابط کی سائٹس کو بھی استعمال کرنے لگا۔اس کی شاندار شخصیت اور پڑھائی اور نوجوانوں کو پڑھانے کے انداز نے جلد ہی اس کو طلبہ میں قدرے مقبول بنادیا۔اس کے طرز تدریس اور عام فہم انداز اور دوستانہ ماحول میں پڑھانے پر طالب علم اس کی کلاس میں جوق در جوق چلے آتے۔اس کی کلاس کچھا کھچ طالب علموں سے بھری ہوئی ہوتی تھی۔اس پر اس کے حاسدین کا پیدا ہوجانا عمومی بات تھی لیکن ان کا طرز عمل ایسا ہوگا کہ جنید حفیظ کو مقدمے میں نامزد کردیا جائے گا اور ساتھ ہی ساتھ زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہوجائے گا یہ اس نے اور کسی نے بھی سوچا نہ ہوگا۔مقدمے میں ملوث کردیے جانے کے بعد کے واقعات اس بات کے شاہد ہیں کہ طالب علم تو ایک طرف یونی ورسٹی کے کئی ایک اساتذہ بھی اس کے مخالفین میں شامل تھے۔ان میں سے بعض تو اس کے کیس میں بطور مخالف گواہ بھی پیش ہوئے ہیں۔

یہ سن 2013 کا ایک دن ہے جس نے اس کی زندگی بدل دی کہ اس کی ایک فیس بک پر کئی پوسٹ کو لیکر ان کے خلاف توہین مذہب کا ایک مقدمہ دائر کروایا گیا۔اس سے قبل ان کے خلاف یونی ورسٹی کی ایک اسلامی طلبہ تنظیم کئی دنوں سے ان کے خلاف احتجاج کررہی تھی کہ انھوں نے مذہبی دل آزاری سے متعلق کچھ نازیبا کلمات ادا کئے ہیں۔ان کی فیس بک پوسٹ نے جلتی پر تیل کا سا کام کیا اور ان کے خلاف مظاہرے شروع ہوگئے۔اس دوران جنید حفیظ نے بذریعہ فیس بک پوسٹ اپنی وضاحت بھی پیش کی جس کو مسترد کردیا گیا اور ان کو مذہبی منافرت کا قصوروار ٹھہرادیا گیا۔یوں ان کے خلاف توہین مذہب کا مقدمہ قائم کردیا گیا اور ان کو گرفتار کر کے پابند سلاسل کردیا گیا۔یہاں سے ہی وہ کہانی شروع ہوتی ہے جو تادم تحریر جاری ہے اور جنید حفیظ کو قید و بند کی صعوبتیں اٹھانا پڑ رہی ہیں۔اس کی جوانی یہ کیس اور عدالتی کارروائی کو دھیرے دھیرے کھا رہی ہے جو بہت افسوس ناک بات ہے۔یہ کیس اب مقامی سطح سے نکل کر بین الاقوامی رخ اختیار کرگیا ہے کہ اس سے جڑی ہوئی زیادتیوں سے متعلق عالمی انسانی حقوق کے اداروں کو بھی علم ہوچکا ہے۔جنید حفیظ کو سلاخوں کے پیچھے ایک دہائی سے زائد کا عرصہ بیت چکا اور اس کی جان کو دوران قید بھی سنگین خطرات لاحق ہیں۔

اس کی اس جھوٹے اور بے بنیاد مقدمے میں گرفتاری کے بعد کئی ایک حالات و واقعات پیش آئے جو اس کیس کے حوالہ سے تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ان کے کیس کی پیروی کرنے والے ممتاز وکیل راشد رحمان جو کہ انسانی حقوق کے لئے سرگرمی سے کام کرنے والے ممتاز صحافی آئی۔اے رحمان کے بھتیجے تھے ان کو قتل کردیا گیا۔ان کو سرشام ان کے چیمبر میں گھس کر نامعلوم افراد نے گولیوں کا نشانہ بنایا اور باآسانی فرار ہوگئے۔اس بہیمانہ قتل کی وجہ مبینہ طور پر ان کا جنید سلیم کا کیس لڑنا تھا۔جنید حفیظ کیس کیوں کہ ہائی پروفائل کیس قرار دیا گیا تو اس کی سماعت اندرون جیل ہوتی تھی۔دوران سماعت جج کی موجودگی میں وکیل راشد رحمان کو جان سے مارنے کی دھمکیاں دیں گئیں اور ان کو قتل بھی کردیا گیا۔ان کا کیس تاحال اندھے قتل کے مقدمے طور داخل دفتر پڑا ہوا ہے جس پر کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔جنید حفیظ کو انصاف دلوانے والا جان سے گیا اور اس کے لواحقین آج بھی انصاف کے منتظر ہیں۔اس ہولناک واقعے کے بعد کوئی بھی مقامی وکیل جنید حفیظ کی پیروی کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔مقدمہ کی حساسیت کا اندازہ اندرون جیل سماعت کے علاوہ اس کیس میں نصف درجن سے زائد ججوں کا تقرر وتبادلہ اہم بات ہے۔کچھ بہادر وجری وکلاء نے اس کو انصاف دلوانے کا بیڑا اٹھایا مگر اس کو سزا سے نہ بچاسکے۔جنید حفیظ کو دسمبر 2019 میں سزائے موت سنادی گئی۔ملتان کے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ وسیشن جج کاشف قیوم نے ان کو توہین مذہب کی دفعات کے تحت درج مقدمے میں سزائے موت کے ساتھ ساتھ عمر قید اور پانچ لاکھ جرمانے کی سزائیں بھی سنائیں۔اس پر ان کے اہل خانہ نے معاشی طور پر ناتواں ہونے کے باوجود بھی لاہور ہائی کورٹ ملتان بینچ میں جنوری 2020 میں اپیل دائر ہوئی۔مقدمہ لاہور ہائی کورٹ پرنسپل سیٹ منتقل ہوا اور اب عرصہ چھ سال بعد اس کیس کی سماعت ہوئی ہے۔یوں جنید حفیظ اپنے ناکردہ گناہ کی طویل قید ناحق کاٹ چکا ہے جس کا کوئی مداوا نہیں کیا جاسکتا۔ہائی کورٹ میں اس کی پیروی ممتاز وکیل سیف الملوک اور ان کی ٹیم کے دیگر اراکین کررہے ہیں۔خیال رہے کہ سیف الملوک ایڈووکیٹ اس قسم کے کئی ایک مقدمات کی پیروی کرچکے ہیں جن میں سے اکثریت ملزمان کو وہ بری کرواچکے ہیں۔اس سماعت میں ان کی ٹیم کے رکن اسد جمال نے جسٹس صادق محمود خرم اور جسٹس جواد ظفر کے روبرو کیس سے متعلق اہم نکات اٹھاتے ہوئے اس پر ٹھوس دلائل دیتے ہوئے بحث کی۔فاضل وکیل نے سوال اٹھایا کہ جن شواہد کی بنیاد پر ملزم جنید حفیظ کو سزاوار ٹھہرایا گیا ہے کیا وہ باقاعدہ تصدیق شدہ تھے؟ عدالت نے اس پر استغاثہ سے جواب طلبی کرتے ہوئے سماعت کوئی نئی تاریخ مقرر کئے بغیر ملتوی کردی ہے۔

پاکستان میں عدالتی نظائر موجود ہیں کہ نچلی عدالتوں سے سزایافتہ ملزمان کو اعلیٰ عدالتوں کی جانب سے بری کردیا جاتا ہے۔اعلیٰ عدالتیں ان تمام امور کا باریک بینی سے جائزہ لیتی ہیں جو نچلی عدالتیں نظرانداز کردیتی ہیں۔ایک اور معاملہ بھی سامنے آتا ہے کہ نچلی عدالتوں کے جج صاحبان پر جو دباؤ موجود ہوتا ہے اس کے پیش نظر وہ کئی ایک حقائق کو نظرانداز کرتے ہوئے زیادہ سزاؤں پر مبنی فیصلے صادر کرتے ہیں۔اب جب کہ جنید حفیظ کا مقدمہ ہائی کورٹ کی سطح پر چلنا شروع ہوا ہے تو امید بندھی ہے کہ اس کو انصاف میسر آئے گا لیکن اس میں مایوسی کا پہلو یہ بھی ہے کہ چھ سال بعد مقرر ہونے والے مقدمے کی سماعت کے بعد اس کو پیشی کی اگلی تاریخ دیے بغیر ملتوی کرنا وسوسے پیدا کرتا ہے کہ اس میں انصاف کی فراہمی میں مزید تاخیر ممکن ہے۔اب معاملہ دیر آید درست والا تو ہے لیکن انصاف کی فراہمی میں تاخیر انصاف کی عدم فراہمی کے مترادف والا معاملہ بھی بن جاتا ہے۔اب جب کہ سب کی نظریں اس کیس پر لگی ہوئی ہیں تو اس کا فیصلہ جلد ہوجانا چاہیے ہے۔

ڈاکٹر الفریڈ چارلس پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کے کارکن ہیں اور سیاسی، سماجی، معاشی، اور تاریخی موضوعات پر مضامین لکھتے ہیں۔ ان سے alfredcharles@live.com پر رابطہ کیا جاسکتا ہے۔

پریس کلب پر پولیس کا دھاوا

لنڈی کوتل ڈسٹرکٹ پریس کلب خیبر میں 25 اکتوبر کی رات تقریباً 07:30 بجے پولیس یونیفارم میں ملبوس نقاب پوش مسلح افراد داخل ہوئے اور بغیر اجازت پریس کلب کا احاطہ کیا۔ واقعے کے وقت پریس کلب کے اندر صرف دو صحافی اور ایک ملازم موجود تھے۔ صحافیوں اور ملازم کے مطابق نقاب پوش افراد مقامی پولیس سے تعلق رکھتے تھے، جنہوں نے بغیر کسی اجازت کے پریس کلب کے مختلف حصوں کی تلاشی لی۔ اس دوران مسلح افراد جوتے پہنے ہوئے پریس کلب کے کارپٹ پر چلتے رہے، جو پریس کلب کے تقدس اور صحافتی ادارے کے احترام کے منافی عمل ہے۔ اسے صحافی برادری پر دباؤ ڈالنے اور انہیں خوفزدہ کرنے کی کوشش قرار دیا جا رہا ہے۔ پریس کلب کی کابینہ اور تمام صحافیوں کی مشاورت کے بعد اس حوالے سے مزید لائحہ عمل کا اعلان کیا جائے گا۔ (منظور آفریدی)

خاتون پر مبینہ بہیمانہ تشدد

نواب شاہ نوابشاہ میں گھریلو تشدد کے ایک انتہائی سنگین واقعے کی سی سی ٹی وی فوٹیج منظر عام پر آنے کے بعد خواتین کے تحفظ، انسانی وقار، نجی زندگی اور بچوں کے بنیادی حقوق سے متعلق اہم سوالات اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اپنے شوہر کی دوسری شادی کے خلاف احتجاج کرنے والی 22 سالہ ازدواجی زندگی گزارنے والی خاتون ذلیخاں کو مبینہ طور پر شوہر کی جانب سے گھر خالی کرنے کے لیے دباؤ ڈالنے اور بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنانے کی شکایت سامنے آئی ہے۔

متاثرہ خاتون ذلیخاں 3 اکتوبر کو اپنی تین بیٹیوں اور دو بیٹوں سمیت نوابشاہ پریس کلب پہنچی، جہاں اس نے بتایا کہ اس کے شوہر نے اپنے بھائیوں کے ہمراہ اسے بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنایا اور بچوں سمیت گھر سے بے دخل کرنے کی کوشش کی۔ تھانہ بی سیکشن نوابشاہ پولیس نے متاثرہ خاتون کی فریاد پر نامزد ملزمان کے خلاف مقدمہ درج کر لیا ہے۔ تاہم مرکزی ملزم کے مقدمے کے اندراج سے قبل مبینہ طور پر دبئی فرار ہونے کی اطلاع سامنے آئی ہے۔ دوسری جانب الزامات کے ردعمل میں ریاض کلہوڑو اور دیگر افراد نے پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے خاتون پر تشدد کے واقعے میں ملوث ہونے کی تردید کی۔

انسانی حقوق کے تناظر میں یہ واقعہ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے کی متعدد شقوں کی روشنی میں قابلِ غور ہے۔ اعلامیے کی شق 3 ہر انسان کو زندگی، آزادی اور شخصی تحفظ کا حق دیتی ہے، جبکہ شق 5 تشدد، ظالمانہ اور غیر انسانی سلوک سے تحفظ کی ضمانت دیتی ہے۔ اسی طرح شق 12 نجی زندگی، خاندان اور گھر میں من مانی مداخلت سے تحفظ، شق 16 شادی کے دوران مرد اور عورت کے مساوی حقوق اور شق 25 مناسب معیارِ زندگی، رہائش اور ماں و بچوں کی خصوصی نگہداشت کے اصول بیان کرتی ہے۔

(آصف البشر)

نیشنل بینک 9 ماہ سے غیر فعال

نوشکی نیشنل بینک گزشتہ 9 ماہ سے غیر فعال ہے، جس کی وجہ سے ضلع نوشکی کے سرکاری ملازمین، پنشنرز، کاروباری حلقوں، تاجر برادری بالخصوص خواتین ملازمین اور معذوری کے شکار افراد کو تنخواہوں اور پنشن کی ادائیگی میں شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ علاوہ ازیں، شہر میں تین ماہ سے زائد عرصے سے ایل پی جی گیس پلانٹ سے گیس کی فراہمی معطل ہے، جس کے باعث صارفین بالخصوص خواتین کو امورِ خانہ داری میں شدید دشواری ہو رہی ہے، جبکہ موسمِ سرما کی آمد سے مسائل مزید بڑھ گئے ہیں۔ نوشکی میں ایف سی گیٹ کے سامنے سبزی منڈی اور این ڈی ایس کے قریب شہر کی طرف آنے والی سڑک کی بندش سے چاغی، یونین کونسل ڈاک، انام بوستان، قادر آباد، تاڑیز، کلی مینگل، کلی سردار بادینی، کلی حاجی محمد نور خان بادینی، کلی سیدان، کلی محمد بادینی، ملوک، کلی شاہ محمد بادینی اور دیگر درجنوں دیہات کے ہزاروں باشندوں کو نوشکی شہر آنے میں شدید مشکلات اور وقت کے ضیاع کا سامنا ہے۔ ایمرجنسی مریضوں کو بروقت طبی امداد نہ ملنے سے اموات واقع ہو رہی ہیں، جبکہ سڑک کی دوطرفہ بندش سے درجنوں دکانیں بند اور کاروبار تباہ ہو رہے ہیں۔ دوسری جانب گرلز ڈگری کالج کی طالبات کے امتحانی مرکز اور کالج وقت پر نہ پہنچنے کے باعث ان کی تعلیم بھی شدید متاثر ہو رہی ہے۔ نیز، نوشکی میں چار ماہ سے پاسپورٹ آفس بھی غیر فعال ہے، جس سے شہریوں کو مالی مشکلات اور وقت کے ضیاع کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ نوشکی کے شہریوں اور سماجی حلقوں نے وفاقی وزیرِ داخلہ، وفاقی وزیرِ پٹرولیم، وزیر اعلیٰ بلوچستان، وفاقی وزیرِ خزانہ، اعلیٰ حکام اور انسانی حقوق کی تنظیموں کی توجہ ان مسائل کی جانب مبذول کراتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ شہر میں قائم رکاوٹوں کو فوراً ہٹایا جائے، نیشنل بینک اور پاسپورٹ آفس کو فعال کیا جائے اور ایل پی جی گیس کی فراہمی سمیت دیگر تمام بنیادی مسائل ترجیحی بنیادوں پر حل کر کے شہریوں کو ریلیف فراہم کیا جائے۔ (محمد سعید)

دو بھائی فائرنگ سے جاں بحق

عمرکوٹ ضلع عمرکوٹ کے علاقے صوفی فقیر کے قریب عمرکوٹ-میرپور خاص مین روڈ پر، ٹالپر پمپ و ڈسٹی مائنر کے پاس عمرکوٹ کی سیشن کورٹ سے پیشی بھگت کر واپس اپنے گھر شادی پلی جانے والے مری برادری کے دو بھائیوں 57 سالہ مولا بخش ولد حضور بخش اور 44 سالہ ولیداد کو موٹر سائیکل سوار شر برادری کے حملہ آوروں نے گولیاں مار کر قتل کر دیا، جبکہ ملزمان واردات کے بعد فرار ہو گئے۔ حاصل کی گئی معلومات کے مطابق شادی پلی کے علاقے میں کچھ عرصہ قبل زمیندار غلام مصطفیٰ ڈاہری کی زرعی زمین پر زرعی پانی کے معاملے پر مری اور شر برادری کے درمیان ہونے والے جھگڑے کے دوران دونوں فریقین کے تین افراد قتل ہو گئے تھے، جن میں شر برادری کا معزز شخص رانو شر بھی شامل تھا۔ اس کے بدلے (پلاند) میں مقتول رانو شر کے بھائیوں اور بیٹوں نے گولیاں مار کر مری برادری کے دو سگے بھائیوں کو قتل کر دیا۔ دونوں مقتول بھائیوں کے قتل کا مقدمہ ان کے بھائی اللہ داد مری کی مدعیت میں شر برادری کے گل خان ولد رانو، وزیر ولد رانو، خیر محمد عرف خیرو ولد اکرم اور آغا ولد اکرم شر کے خلاف تھانہ صوفی فقیر میں مقدمہ درج کر لیا گیا ہے۔ پولیس کے مطابق کیس کے اندراج کے بعد مختلف مقامات پر چھاپے مار کر نامزد ملزمان میں سے دو افراد — گل خان اور خیرو شر — کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ کیس کی تفتیش پولیس تھانہ پتھورو کے صوبیدار کے حوالے کر دی گئی ہے اور مزید قانونی کارروائی جاری ہے۔

(نامہ نگار)

دو افراد کو اڈا کاپٹر کے حملے میں زخمی

خیبر تھانہ ملاگوری کی حدود جھڈ ابا بابا میں مبینہ طور پر کواڈ کاپٹر سے گولہ گرنے کے نتیجے میں دو افراد کے زخمی ہونے کی اطلاعات موصول ہوئی ہیں۔ ابتدائی اطلاعات کے مطابق زخمیوں میں انداز محمد اور تاج محمد کا ایک بیٹا شامل ہیں، جنہیں فوری طور پر طبی امداد کے لیے ہسپتال منتقل کر دیا گیا۔ آئینِ پاکستان، قانون اور انسانی حقوق کے تناظر میں شہریوں کی جان و مال کا تحفظ ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ ہم متعلقہ حکام سے مطالبہ کرتے ہیں کہ واقعے کی فوری، غیر جانبدارانہ اور شفاف تحقیقات کی جائیں، زخمیوں کو بہترین طبی سہولیات فراہم کی جائیں اور ذمہ داروں کا تعین کر کے قانون کے مطابق کارروائی عمل میں لائی جائے۔

(مسعود شاہ)

آٹے کی قیمتوں میں اضافے کا نوٹس لیا جائے

چمن بلوچستان کے سرحدی شہر چمن میں آٹے کی قیمتوں میں بے تحاشا اضافے نے شہریوں کی مشکلات میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ آٹے کی قیمت میں مسلسل اضافے کے باعث غریب اور متوسط طبقے کے لیے دو وقت کی روٹی کا بندوبست بھی مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ شہریوں کا کہنا ہے کہ مہنگائی میں مسلسل اضافے نے پہلے ہی گھریلو بجٹ کو شدید متاثر کر رکھا ہے، جبکہ آٹے جیسی بنیادی ضرورت کی قیمت بڑھنے سے عوام کی پریشانی دوچند ہو گئی ہے۔ علاقہ مکینوں نے حکومت اور متعلقہ انتظامیہ سے مطالبہ کیا ہے کہ آٹے کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کا فوری نوٹس لیا جائے، مارکیٹ میں قیمتوں کی نگرانی مؤثر بنائی جائے اور غریب عوام کو ریلیف فراہم کرنے کے لیے عملی اقدامات کیے جائیں۔ شہریوں نے تنبیہ کی ہے کہ بنیادی اشیائے خورونوش کی قیمتوں میں مسلسل اضافے کا سلسلہ نہ روکا گیا تو عام آدمی کے لیے زندگی گزارنا مزید دشوار ہو جائے گا۔ (محمد صدیق)

34 ہاری بازیاب کرا لیے

عمرکوٹ شادی پلی پولیس نے ایڈیشنل سیشن جج عمرکوٹ کے حکم پر دیھ پلی (شادی پلی) کے زمیندار ظہیر باجوہ کی زرعی زمین پر چھاپہ مار کر جبری مشقت کے شکار کولہی قبیلے کے 34 ہاریوں (9 مرد، 10 خواتین اور 15 بچے)— جن میں تاریو، کموں، ماروی، کملی، میراں اور دیگر شامل ہیں— کو لچھمن ولد سادھو کولہی کی درخواست پر بازیاب کرا لیا۔ بازیاب ہونے والے ہاریوں نے الزام لگایا کہ زمیندار ان کا حساب کتاب نہیں کرتا تھا اور ان سے زبردستی جبری مشقت لیتا تھا۔ عدالت نے بازیاب ہونے والے تمام ہاریوں کو ان کی مرضی اور پسند کے مطابق آزادانہ زندگی گزارنے کی اجازت دے دی۔ (نامہ نگار)

ایک ماہ سے بجلی سے محروم

چمن طور پل کے علاقے نیو بائی پاس پر ٹرک کی ٹکر سے بجلی کی 11 ہزار وولٹ لائن کا پول تباہ ہونے کے باعث پورا علاقہ گزشتہ ایک ماہ سے بجلی کی فراہمی سے محروم ہے۔ جس کے باعث شہریوں کو شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ مکینوں نے واپڈا اور متعلقہ حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ واقعے کا فوری نوٹس لیتے ہوئے 11 ہزار وولٹ لائن کے تباہ شدہ پول کی مرمت و بحالی کا کام جلد مکمل کیا جائے اور علاقے میں بجلی کی فراہمی فوری طور پر بحال کی جائے۔ (محمد صدیق)

شہری کی چار کم سن بیٹیوں سمیت خودکشی کی کوشش

عمرکوٹ ضلع عمرکوٹ کے علاقے ڈھورو نارو شہر کے قریبی گوٹھ حاجی نواب علی راجڑ کے پاس بلدیہ کے رہائشی 30 سالہ نوجوان کھیم چند کولہی نے اپنی چار معصوم بیٹیوں سمیت کیڑے مار زہریلی دوا پی کر خودکشی کرنے کی کوشش کی، جس کے باعث باپ سمیت چاروں معصوم بچیاں بے ہوش ہو گئیں۔ اطلاع ملنے پر پڑوسیوں اور رشتہ داروں نے متاثرین کو فوری طور پر علاج معالجے کے لیے رورل ہیلتھ سینٹر ڈھورو نارو منتقل کیا، جہاں ڈاکٹروں نے بروقت طبی امداد دے کر ان کی جانیں بچا لیں۔ متاثرہ بچیوں میں 7 سالہ جمنا، 5 سالہ لیلاں، 4 سالہ بھوپی اور 2 سالہ وجی شامل ہیں۔ اس واقعے سے متعلق متاثرین کے ورثاء کا کہنا تھا کہ تقریباً تین ماہ قبل کھیمچند کولہی کی بیوی بھرمی کولہی، وزیر ولد پوپٹ اوڈ سے پسند کی شادی کر کے اپنے سابق شوہر اور چاروں بچیوں کو چھوڑ کر چلی گئی تھی، جس کے باعث شوہر نے حالات سے تنگ آ کر یہ قدم اٹھایا۔

(نامہ نگار)

ٹرینوں کی بندش سے شہریوں کی مشکلات میں اضافہ

چمن چمن سے کوئٹہ کے درمیان چلنے والی چمن پسنجر ٹرین کی مہینوں طویل بندش کے باعث عوام کو شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ ٹرین کی بندش سے غریب عوام، مزدوروں، طلبہ اور مریضوں سمیت روزانہ سفر کرنے والے شہری مہنگے کرایوں اور طویل سفر کی کوفت سے دوچار ہیں۔ شہریوں کا کہنا ہے کہ چمن پسنجر ٹرین محض سفری سہولت نہیں بلکہ علاقے کے عام اور کم آمدنی والے افراد کے لیے سستے اور محفوظ سفر کا اہم ذریعہ تھی۔ ٹرین کی بندش کے باعث عوام کو متبادل ذرائع آمدورفت پر زیادہ کرایے ادا کرنا پڑ رہے ہیں۔ عوام کا کہنا ہے کہ اگر ٹرین کی بندش کی بنیادی وجہ ایندھن کی قیمتوں میں اضافہ تھی تو اب ایندھن کی قیمتوں میں کمی کے باوجود ٹرین کی بحالی میں تاخیر سمجھ سے بالاتر ہے۔ شہریوں نے پاکستان ریلوے کے اعلیٰ حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ عوامی مشکلات کا فوری نوٹس لیتے ہوئے چمن پسنجر ٹرین کو بلا تاخیر بحال کیا جائے، بصورتِ دیگر عوام اپنے مطالبات کے حق میں احتجاج کرنے پر مجبور ہوں گے۔

(محمد صدیق)

شناختی کارڈ کے حصول میں مشکلات

چمن خواتین نادرا سینٹر میں جونیئر اسٹاف کو سربراہ مقرر کیے جانے کے باعث شہریوں کو مبینہ طور پر شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ شہریوں کا کہنا ہے کہ تمام مطلوبہ ریکارڈ اور دستاویزات موجود ہونے کے باوجود خواتین کے قومی شناختی کارڈز بلاک کیے جا رہے ہیں۔ متاثرہ شہریوں کے مطابق خواتین نادرا سینٹر کی موجودہ ہیڈ آسیہ کی جانب سے فارم 74 اور 76 سمیت دیگر ریکارڈ کی موجودگی کے باوجود بعض خواتین کے شناختی کارڈز بلاک کیے جا رہے ہیں، جس کے باعث شہری مختلف سرکاری و نجی امور کی انجام دہی میں مشکلات اور ذہنی اذیت کا شکار ہیں۔ شہریوں نے ڈی جی نادرا سے مطالبہ کیا ہے کہ معاملے کا فوری نوٹس لیتے ہوئے خواتین نادرا سینٹر چمن میں سینئر اور تجربہ کار اسٹاف تعینات کیا جائے، جبکہ موجودہ ہیڈ آسیہ کا تبادلہ کیا جائے تاکہ شہریوں کو درپیش مشکلات کا خاتمہ ہو سکے۔ شہریوں نے یہ بھی مطالبہ کیا ہے کہ شناختی کارڈز کی بلاکنگ کے معاملے کی شفاف تحقیقات کر کے ذمہ داروں کے خلاف قانونی کارروائی عمل میں لائی جائے۔

(محمد صدیق)

'غیرت' کے نام پر ایک شخص قتل

میانوالی تفصیلات کے مطابق 9 اکتوبر کو تحصیل پپلاں کے علاقے کندیاں، محلّہ گنجر انوالہ میں محمد عرفان گزشتہ روز شام کے وقت اپنی آٹے کی چکی بند کر رہا تھا کہ موٹر سائیکل پر سوار محمد اورنگزیب اور محمد احتشام خان آئے۔ انہوں نے للکارا کہ "ہم آپ کو احتشام کی والدہ سے ناجائز تعلقات کا مزہ چکھاتے ہیں" اور اتنے میں اورنگزیب نے 30 بور پسٹل سے فائرنگ کر دی، جس سے محمد عرفان موقع پر ہی دم توڑ گیا۔ ملزمان موقع سے فرار ہو گئے۔ پولیس کی انویسٹی گیشن اور فورنزک ٹیم نے جائے وقوعہ سے شواہد اکٹھے کیے اور لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے ہسپتال منتقل کر دیا گیا۔ پولیس نے مقدمہ درج کر کے مزید قانونی کارروائی جاری رکھی ہوئی ہے اور ملزمان کی گرفتاری کے لیے چھاپے مارے جا رہے ہیں۔

(محمد رفیق)

عورتیں

'غیرت' کے تصور نے ایک اور جان لے لی

میانوالی 15 اکتوبر کو میانوالی شہر کے علاقہ بیٹاں میں 'غیرت' کے نام پر ایک لڑکی کو قتل کر دیا گیا۔ تفصیلات کے مطابق لڑکی کے والد نے تھانہ سٹی میانوالی میں رپورٹ درج کروائی کہ وہ اپنی بیوی اور بیٹی کے ہمراہ مدنیہ شاپنگ مال جا رہے تھے، جو کہ گھر سے کچھ فاصلے پر ہے۔ ان کی بیٹی چند قدم آگے تھی کہ اتنے میں ان کا بھتیجا جواد احمد آ گیا، جس کے ہاتھ میں 30 بور پسٹل تھا۔ اس نے ان کی 14 سالہ بیٹی کو للکارا اور کہا کہ "میں نے آپ کو منع کیا تھا کہ بغیر نقاب گھر سے باہر نہ آنا، میں آپ کو بے پردگی کا مزہ چکھاتا ہوں"۔ اس نے یکے بعد دیگرے بیٹی پر فائر کیے جو جسم کے مختلف حصوں پر لگے۔ شدید زخمی ہونے اور زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے لڑکی اور دم توڑ گئی۔ ہسپتال منتقل کر کے مقدمہ درج کر لیا۔ 16 اکتوبر 2026ء کو پولیس نے ملزم کو گرفتار کر لیا تھا۔

(محمد رفیق)

'غیرت' کے نام پر دو افراد قتل

سانگھڑ شہداد پور کے قریب واقع گاؤں محراب شاہی کے نزدیک سم نالے پر 'غیرت' کے نام پر دوہرے قتل کے ایک واقعے میں، تین روز قبل نوابشاہ کی عدالت میں پسند کی شادی کرنے والے 26 سالہ نوجوان نثار علی لاشاری اور 24 سالہ لڑکی زکیہ بلیدی کو 23 اکتوبر کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا گیا۔ اطلاعات کے مطابق ہنگورہ روڈ کے رہائشی نوجوان نثار علی لاشاری اور زکیہ بلیدی نے تین روز قبل نوابشاہ کی عدالت میں پسند کی شادی کی تھی۔ واقعے کے روز شہداد پور کے قریب بلیڈی برادری سے تعلق رکھنے والے مسلح افراد نے دونوں پر فائرنگ کر دی، جس کے نتیجے میں دونوں موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے۔ واقعے کی اطلاع ملتے ہی ڈی ایس پی حق نواز اوڈھو اور ایس ایچ او شہداد پور محمد حنیف مہر پولیس نفری کے ہمراہ جائے وقوعہ پر پہنچے اور دونوں لاشوں کو تحویل میں لے کر شہداد پور کے سمس اسپتال منتقل کر دیا، جہاں پوسٹ مارٹم کے بعد لاشیں ورثاء کے حوالے کر دی گئیں۔

(ابراہیم خلجی)

جنگوں میں خواتین اور لڑکیوں کی اموات میں اضافہ

اقوام متحدہ کی ایک اہم رپورٹ کے مطابق جنگیں خواتین اور لڑکیوں کے لیے مزید مہلک ہوتی جا رہی ہیں۔ گزشتہ برس مسلح تنازعات میں ہلاک ہونے والے 37,000 سے زائد عام شہریوں میں ہر چوتھا فرد کوئی خاتون یا بچی تھی، جو کہ 2021 کے مقابلے میں دوگنا ہے۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کی 'خواتین، امن اور سلامتی' کے موضوع پر سالانہ رپورٹ کے مطابق مسلح تنازعات والے علاقوں میں ہر روز کم از کم 25 خواتین اور لڑکیاں ہلاک ہو رہی ہیں۔ جیسے جیسے عام شہریوں کی ہلاکتوں میں اضافہ ہو رہا ہے، ویسے ویسے جنسی تشدد کے واقعات بھی بڑھ رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود امن مذاکرات میں خواتین کی شمولیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس وقت تقریباً پچہتر کروڑ خواتین اور لڑکیاں ایسے علاقوں کے 50 کلومیٹر کے دائرے میں رہ رہی ہیں جہاں فعال تنازعات جاری ہیں۔ یہ تعداد 2024 کے مقابلے میں چار کروڑ زیادہ ہے اور 1990 کے بعد سے اب تک کی سب سے بلند سطح ہے۔ نیویارک میں اقوام متحدہ کے ہیڈکوارٹر میں صحافیوں کو رپورٹ پیش کرتے ہوئے، 'یو این ویمن' کی ڈپٹی ایگزیکٹو ڈائریکٹر نیاراڈزائی گمبونزوٹا نے کہا کہ جنگیں خواتین اور لڑکیوں کے لیے مزید جان لیوا ہوتی جا رہی ہیں اور دنیا ایسا ہونے دے رہی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ دروازے پر دستک دیتی جنگ کوئی ایسی چیز نہیں جسے وہ اپنی سکرین پر سکرول کر کے نظر انداز کر سکتے ہیں۔

بموں کی گھن گرج سے آگے

جنگ کی لپیٹ میں آنے والی خواتین اور لڑکیوں کے لیے خطرات صرف میدانِ جنگ تک محدود نہیں ہیں۔ سال 2025 میں اقوام متحدہ نے تنازعات سے منسلک جنسی تشدد کے 9,788 واقعات کی تصدیق کی ہے۔ یہ تعداد گزشتہ سال کے مقابلے میں دوگنا سے بھی زیادہ اور سال 2022 کے مقابلے میں تقریباً چار گنا ہے۔ نیاراڈزائی گمبونزوٹا نے بتایا کہ تنازعات سے متاثرہ ملک میں حاملہ خاتون کے دورانِ زچگی یا اس سے متعلقہ وجوہات کی بنا پر ہلاک ہونے کا امکان، کسی پرامن اور مستحکم ملک کی خاتون کے مقابلے میں پانچ گنا زیادہ ہوتا ہے۔ غزہ میں ہسپتالوں اور زچگی کی سہولیات کی تباہی، نیز ضروری اشیاء تک رسائی ختم ہو جانے کے باعث زندہ بچوں کی پیدائش میں 41 فیصد کمی آئی ہے، جبکہ حمل گرنے کے واقعات میں 300 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ جنگ خواتین کو مزید گہری غربت کی طرف بھی دھکیلتی ہے۔ تقریباً سترہ کروڑ خواتین اور لڑکیاں تنازعات والے علاقوں اور انتہائی غربت دونوں میں رہتی ہیں، جو کہ یومیہ تین ڈالر سے بھی کم پر زندہ رہتی ہیں۔ جبکہ تنازعات سے متاثرہ ممالک میں وہ مردوں اور لڑکوں کے مقابلے میں پانچ گنا زیادہ گھنٹے بلا معاوضہ دیکھ بھال کے کام پر گزارتی ہیں۔ رپورٹ میں خبردار کیا گیا ہے کہ آبادی والے علاقوں میں ڈرون اور طویل فاصلے تک مار کرنے والے ہتھیاروں کا بڑھتا ہوا استعمال مزید حفاظتی خدشات کو جنم دیتا ہے۔ سکولوں، بازاروں اور ہسپتالوں پر ان حملے کے خدشات پہلے سے کہیں بڑھ گئے ہیں۔

امن عمل سے خارج

تنازعات سے غیر متناسب طور پر متاثر ہونے کے باوجود خواتین بڑی حد تک لڑائی کو ختم کرنے کی کوششوں سے محروم ہیں۔ سال 2025 میں وہ 57 امن عملوں میں صرف پانچ فیصد مذاکرات کاروں پر مشتمل تھیں جبکہ جنگ بندی کے 13 معاہدوں میں سے ایک بھی واضح طور پر تنازعات سے جڑے جنسی تشدد کی ممانعت نہیں کرتا تھا۔ عالمی فوجی اخراجات گزشتہ سال ریکارڈ 2.9 ٹریلین ڈالر تک پہنچ گئے، جبکہ بحران سے متاثرہ ماحول میں خواتین کی 40 فیصد تنظیمیں مالی امداد کی شدید کمی کی وجہ سے اگلے سال کسی بھی وقت عارضی یا مستقل طور پر بند ہونے کے خطرے سے دوچار ہیں۔ یو این ویمن کی ایگزیکٹو ڈائریکٹر سیما باحوس نے کہا ہے کہ عشروں میں کسی بھی موڑ سے زیادہ خواتین اور لڑکیاں جنگوں میں پھنسی ہوئی ہیں۔ پھر بھی فوجی اخراجات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور ترقیاتی امداد مسلسل کم ہو رہی ہے۔ یو این ویمن خواتین اور لڑکیوں کے تحفظ، امن و سلامتی میں ان کی بامعنی شرکت، خواتین کی زیر قیادت قیام امن میں پائیدار سرمایہ کاری، اور استثنیٰ کے خاتمے کا مطالبہ کر رہی ہے۔

(بشکریہ یو این نیوز)

شوہر کے ہاتھوں بیوی کا قتل

میانوالی 12 اکتوبر کو نواحی علاقے واں بھچراں، پھاتی ٹھارو خیلا نوالہ میں محمد جاوید صاحبے خیل نامی شخص نے کلہاڑی کے وار سے اپنی بیوی کو قتل کر دیا۔ قتل کی وجہ گھریلو جھگڑا بتائی جا رہی ہے۔ پولیس نے موقع پر پہنچ کر شواہد اکٹھے کیے اور لاش تحویل میں لے کر پوسٹ مارٹم کے لیے ہسپتال منتقل کر دی۔ ملزم کے خلاف قتل کا مقدمہ درج کر لیا گیا ہے۔

(محمد رفیق)

امن وسلامتی کے امور میں خواتین کی حیثیت مرکزی ہونی چاہیئے

اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے انسانی حقوق وولکر ترک نے کہا ہے کہ جنگی حالات میں خواتین اور لڑکیوں کو غیر متناسب طور پر زیادہ نقصان ہوتا ہے جبکہ انہیں امن وسلامتی سے متعلق فیصلوں میں بہت کم شامل کیا جاتا ہے۔ جنگوں کی روک تھام اور دیرپا امن کے لیے خواتین کی آوازوں کو مرکزی اہمیت دینا ضروری ہے۔ ہائی کمشنر نے نیدرلینڈز کے شہر دی ہیگ میں 'انٹرنیشنل سول سوسائٹی ایکشن نیٹ ورک' (آئی سی اے این) کے زیر اہتمام 'خواتین، امن اور سلامتی' سے متعلق رواں سال کے فورم سے اپنے ویڈیو خطاب میں کہا ہے کہ دنیا بہت بڑے بحرانوں سے گزر رہی ہے اور مسلح تنازعات لاکھوں لوگوں کو متاثر کر رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ جنگوں میں جنسی زیادتی، اغوا، انسانی سمگلنگ اور جنسی غلامی کا شکار ہونے والوں کی بھاری اکثریت خواتین اور لڑکیوں کی ہوتی ہے۔ 2024 میں جمع کردہ اعداد وشمار کے مطابق اندازاً 67 کروڑ 60 لاکھ خواتین اور لڑکیاں فعال تنازعات سے 50 کلومیٹر کے فاصلے پر رہتی تھیں۔ یہ سرد جنگ کے بعد اب تک ریکارڈ کی جانے والی سب سے بڑی تعداد ہے۔

وسائل میں کمی، خطرات میں اضافہ

وولکر ترک نے کہا کہ خواتین کے لیے صحت، معاشی وسائل اور تعلیم کے شعبوں میں جتنے کم وسائل مختص کیے جائیں گے ان کے نقصان سے دوچار ہونے کا خطرہ اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ نسلی اور لسانی اعتبار سے پسماندہ گروہوں سے تعلق رکھنے والی اور مذہبی یا دیگر بنیاد پر امتیازی سلوک کا سامنا کرنے والی خواتین کی صورتحال کہیں زیادہ کمزور ہوتی ہے جنہیں جنسی تشدد سمیت مختلف خطرات کا سامنا ہوسکتا ہے۔ ہائی کمشنر نے اس امر کی نشاندہی بھی کی کہ معاشروں کے تحفظ میں خواتین کے اہم کردار اور فیصلہ سازی کے اداروں میں ان کی نمائندگی کے درمیان اب بھی بہت بڑا فرق موجود ہے۔

'خواتین محض متاثرین نہیں'

خواتین اور لڑکیوں پر جنگوں کے غیر متناسب اثرات کو تسلیم کرتے ہوئے ہائی کمشنر نے انہیں صرف متاثرین کے طور پر پیش کرنے کے تصور کو مسترد کیا۔ انہوں نے کہا کہ دنیا بھر میں خواتین انتہائی سخت اور پرتشدد حالات میں بھی قیادت کر رہی ہیں، منظم ہو رہی ہیں، ثالثی کر رہی ہیں اور انسانی حقوق کی پامالیوں کو دستاویزی شکل دے رہی ہیں۔ انسانی بحرانوں کے دوران عموماً خواتین ہی سب سے پہلے امدادی کارروائیوں کے لیے سامنے آتی ہیں کیونکہ انہیں مقامی حالات اور زمینی حقائق کا ایسا علم ہوتا ہے جو بعض اوقات بین الاقوامی اداروں کے پاس نہیں ہوتا۔ تنازعات کی روک تھام میں خواتین کے اہم کردار پر زور دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ لوگوں کے تحفظ، جوابدہی یقینی بنانے اور امن کے قیام میں موثر کردار ادا کرتی ہیں۔

سلامتی کا تصور

ہائی کمشنر نے کہا کہ ایسے معاشروں میں دیرپا امن قائم نہیں ہوسکتا جہاں امتیازی سلوک اور جبر ہو۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ خواتین کی قیادت میں کام کرنے والی سول سوسائٹی کی تنظیموں کو مکمل شراکت دار سمجھا جائے۔ انہوں نے سلامتی کے مفہوم کو بھی وسیع تر انداز میں دیکھنے کی ضرورت پر زور دیا اور کہا کہ مساوات، نفاذ قانون اور احتساب کے لیے غیر جانبدار ادارے، معاشی اور سماجی انصاف، پرامن ثالثی اور ایسا طرز حکومت کسی معاشرے کو زیادہ محفوظ بناتے ہیں جو لوگوں کے انسانی حقوق کو یقینی بنائے۔ حقوق کا تحفظ پائیدار سماجی یکجہتی میں سرمایہ کاری کے مترادف ہے۔ اس کے نتیجے میں ایسے معاشرے تشکیل پاتے ہیں جو بحرانوں اور اچانک آنے والے دھچکوں کا مقابلہ کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں کیونکہ وہ منصفانہ ہوتے ہیں۔ انہوں نے واضح کیا کہ صنفی مساوات کوئی ایسا احسان نہیں جو مرد خواتین پر کر رہے ہیں بلکہ یہ انسانیت کے لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہے اور اس سے سب کو فائدہ ہوتا ہے۔

(بشکریہ یو این نیوز)

غیرت کے نام پر بہن کو قتل کر دیا

میانوالی میانوالی کے علاقے جھانگی والا (پپلاں، کندیاں) میں غیرت کے نام پر بھائی کے ہاتھوں بہن کے قتل کا دلخراش واقعہ پیش آیا ہے۔ ملزم سانول ولد ضیاءاللہ کی بہن ثمائلہ بی بی نے دو ماہ قبل پسند کی شادی کی تھی اور چند دن پہلے اپنے خاوند محمد رمضان سے طلاق لے کر اپنے والد کے گھر واپس آ گئی تھی۔ ملزم سانول نے گھر میں موجود اپنی بہن کو للکارا کہ "تم نے ہماری عزت مٹی میں ملا دی ہے اور ہمیں معاشرے میں جینے کے قابل نہیں چھوڑا، اب میں تمہیں اس کا مزہ چکھاتا ہوں"۔ اس نے 30 بور پسٹل سے فائرنگ کر دی، جس کے نتیجے میں متعدد گولیاں ثمائلہ بی بی کے جسم پر لگیں اور زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے وہ موقع پر ہی دم توڑ گئی۔ قتل کی اطلاع فوری طور پر پولیس کو دی گئی۔ پولیس کی انویسٹی گیشن اور فورنزک ٹیم نے جائے وقوعہ سے شواہد اکٹھے کر کے لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے ہسپتال منتقل کر دیا، جبکہ ملزم موقع سے فرار ہوگیا۔ پولیس نے ملزم کے خلاف مقدمہ درج کر کے اس کی گرفتاری کے لیے چھاپے مارنے شروع کر دیے ہیں۔

(محمد رفیق)

کم سن ہندو لڑکی اغواء

عمرکوٹ چند روز قبل عمرکوٹ شہر کے علاقے جیون کالونی کی رہائشی 13 سالہ طالبہ کلپنا بنت مٹھو مل میگھواڑ کے مبینہ اغوا کا واقعہ پیش آیا۔ اس سلسلے میں والد مٹھو مل کی مدعیت میں 18 اکتوبر 2026ء کو ٹی پولیس اسٹیشن عمرکوٹ میں بیٹی کے اغوا کا مقدمہ درج کرایا گیا تھا۔ مورخہ 18 اکتوبر 2026ء کو ہی شمالی سندھ کے علاقے ڈہرکی کے قریب درگاہ عالیہ بھرچونڈی شریف میں تبدیلی مذہب اور نام کی تبدیلی (کلپنا سے خدیجہ) کے بعد علی نواز منگریو سے اس کا نکاح کرا دیا گیا۔ نکاح نامے میں لڑکی کی عمر 17 / 18 برس لکھی گئی ہے، جبکہ ورثاء کی طرف سے پیش کردہ نادرا کے 'ب' فارم (مورخہ 5 جون 2025ء) کے مطابق لڑکی کی تاریخ پیدائش 7 مارچ 2013ء ہے، جس سے اس کی عمر ساڑھے تیرہ برس بنتی ہے۔ دوسری طرف لڑکی کا ایک وڈیو بیان سوشل میڈیا پر سامنے آیا ہے، جس میں وہ خود کو 18 برس کی بتا رہی ہے اور اسلام قبول کرنے کی وجہ خواتین کی عزت بتاتی ہے۔

(نامہ نگار)

قانون نافذ کرنے والے ادارے

پُرامن احتجاج کرنے والے پی ٹی آئی کارکنوں پر فائرنگ

باڑہ باڑہ میں پُرامن احتجاج کرنے والے پی ٹی آئی کے کارکنوں پر خیبر پختونخوا پولیس کی مبینہ فائرنگ کی اطلاعات سامنے آئی ہیں، جس کے نتیجے میں ایک کارکن شدید زخمی ہو گیا۔ احتجاج کرنا ہر شہری کا آئینی حق ہے۔ اگر مظاہرین پُرامن تھے تو ان پر فائرنگ کیوں کی گئی؟ کیا اپنے ہی شہریوں کی آواز دبانے کے لیے طاقت کا استعمال ہی واحد راستہ رہ گیا ہے؟ ریاست اور پولیس کی بنیادی ذمہ داری شہریوں کی جان و مال کا تحفظ، امن و امان برقرار رکھنا اور قانون کی پاسداری ہے، نہ کہ شہریوں کی جانوں کو خطرے میں ڈالنا۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ اس واقعے کی فوری، غیر جانبدارانہ اور شفاف تحقیقات کی جائیں، زخمی کارکن کو بہترین طبی سہولیات فراہم کی جائیں اور اگر پولیس کی جانب سے غیر قانونی طاقت کا استعمال ثابت ہو تو ذمہ دار اہلکاروں کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی کی جائے۔ یاد رکھیے! پُرامن احتجاج جرم نہیں بلکہ آئینی حق ہے۔ اپنے ہی شہریوں کے خلاف طاقت کا استعمال مسائل کا حل نہیں۔ جمہوریت میں اختلافِ رائے کا جواب گولی نہیں بلکہ قانون اور مکالمہ ہونا چاہیے۔ (مسعود شاہ)

نقاب پوش افراد کا چھاپہ

خیبر ممبر صوبائی اسمبلی ضلع خیبر عبدالغنی آفریدی کی رہائش گاہ پر پولیس اور بعض نامعلوم نقاب پوشوں کا چھاپہ انتہائی افسوسناک، قابلِ مذمت اور تشویشناک عمل ہے۔ ایک منتخب عوامی نمائندے کے گھر پر اس انداز میں چھاپہ مارنا نہ صرف جمہوری اقدار بلکہ عوامی مینڈیٹ اور بنیادی شہری حقوق کے حوالے سے بھی سنگین سوالات کو جنم دیتا ہے۔ اختلافِ رائے کا جواب چھاپوں اور خوف و ہراس سے دینا کسی صورت قابلِ قبول نہیں۔ متعلقہ حکام اس واقعے کا فوری نوٹس لیں، چھاپے کی وجوہات اور قانونی جواز عوام کے سامنے واضح کریں اور اس واقعے کی شفاف تحقیقات یقینی بنائیں۔ عوامی نمائندوں کو دباؤ میں لانے کے بجائے آئین، قانون اور جمہوری روایات کا احترام کیا جانا چاہیے۔ ایسے اقدامات جمہوریت پر عوام کے اعتماد کو مجروح کرتے ہیں، جن پر خاموش نہیں رہا جا سکتا۔

(منظور آفریدی)

باڑہ میں پی ٹی آئی کا احتجاج چوتھے روز بھی جاری، فائرنگ سے 4 افراد زخمی

خیبر ضلع خیبر کے علاقے باڑہ بازار میں پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) کا احتجاج چوتھے روز بھی جاری ہے، جبکہ صورتحال کے پیشِ نظر سیکیورٹی ہائی الرٹ کر دی گئی ہے۔ احتجاج کے دوران فائرنگ کے نتیجے میں 4 افراد زخمی ہوئے، جبکہ 25 سے زائد افراد کو طبی امداد فراہم کی گئی۔ پولیس کے مطابق 80 سے زائد مظاہرین کو گرفتار کیا گیا ہے۔ احتجاج کے دوران فائرنگ، مبینہ تشدد، گرفتاریوں اور زخمیوں کی اطلاعات نے علاقے میں تشویش پیدا کر دی ہے۔ مظاہرین اور پولیس کے درمیان کشیدگی کے تناظر میں شہریوں کی جان و مال کا تحفظ، امن و امان کی بحالی اور قانون کی بالادستی بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ شفاف تحقیقات اور ذمہ داروں کے تعین کا مطالبہ: احتجاج کے دوران فائرنگ کے واقعے کی غیر جانبدارانہ اور شفاف تحقیقات ضروری ہیں تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ فائرنگ کس جانب سے ہوئی، اس میں کون ملوث تھا اور آیا طاقت کا استعمال قانون کے مطابق کیا گیا یا نہیں۔ زخمی ہونے والے تمام افراد کو بروقت اور مناسب طبی سہولیات فراہم کرنا بھی متعلقہ حکام کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح گرفتار مظاہرین کے بارے میں اہل خانہ کو معلومات فراہم کی جائیں، گرفتاریوں کی قانونی وجوہات واضح کی جائیں اور تمام زیرِ حراست افراد کو قانون کے مطابق حقوق، وکیل تک رسائی اور منصفانہ قانونی کارروائی کی ضمانت دی جائے۔ کسی بھی شخص کو محض پرامن احتجاج میں شرکت کی بنیاد پر غیر قانونی طور پر ہراساں یا گرفتار نہیں کیا جانا چاہیے۔ آئینِ پاکستان اور پرامن احتجاج کا حق: آئینِ پاکستان کا آرٹیکل 16 شہریوں کو پرامن اور غیر مسلح اجتماع کا حق دیتا ہے، جبکہ آرٹیکل 9 شخصی تحفظ اور آرٹیکل 10 گرفتاری و حراست سے متعلق قانونی تحفظات فراہم کرتا ہے۔ تاہم احتجاج کے دوران تشدد یا قانون شکنی کے کسی بھی الزام کی جانچ شواہد اور قانونی طریقہ کار کے مطابق ہونی چاہیے۔ ریاستی اداروں اور پولیس پر لازم ہے کہ امن و امان برقرار رکھتے ہوئے قانون کے مطابق کارروائی کریں اور طاقت کا استعمال صرف ضرورت اور تناسب کے اصولوں کے تحت کریں۔ دوسری جانب مظاہرین کو بھی پرامن رہتے ہوئے شہریوں کی سلامتی اور املاک کا خیال رکھنا چاہیے۔ متعلقہ حکام سے مطالبہ ہے کہ فائرنگ کے واقعے کی فوری، شفاف اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کرائی جائیں، زخمیوں کو بہترین طبی سہولیات فراہم کی جائیں اور ان کے علاج کو یقینی بنایا جائے، گرفتار مظاہرین کی قانونی حیثیت واضح کی جائے اور غیر قانونی حراست کی صورت میں انہیں رہا کیا جائے۔ احتجاج کے دوران پولیس یا کسی دوسرے فریق کی جانب سے قانون شکنی کے شواہد سامنے آنے پر ذمہ داروں کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی کی جائے، شہریوں کے جان و مال کا تحفظ یقینی بنایا جائے اور صورتحال کو پرامن طریقے سے حل کرنے کے لیے مذاکرات کا راستہ اختیار کیا جائے۔ پرامن احتجاج شہریوں کا آئینی حق ہے، جبکہ شہریوں کی جان کا تحفظ ریاست کی ذمہ داری ہے۔ باڑہ کی صورتحال کا حل طاقت کے غیر ضروری استعمال یا اندھا دھند گرفتاریوں کے بجائے شفاف تحقیقات، قانون کی بالادستی، جواب دہی اور بامعنی مذاکرات میں ہے۔

(مسعود شاہ)

باڑہ بازار بند کرنے کے بجائے تاجروں کو تحفظ فراہم کیا جائے

باڑہ انجمن تاجران باڑہ کے صدر سید ایاز وزیر اور کابینہ کے دیگر عہدیداران — سینئر نائب صدر حاجی استکار، سابق صدر معراج آفریدی، نائب صدر عظیم خان اور محمد اسحاق نے باڑہ بازار کی بندش پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ بازار بند کرنے کے بجائے تاجروں اور عوام کو تحفظ فراہم کیا جائے۔ تاجروں کو اعتماد میں لیے بغیر بازار بند کرنے سے کاروباری طبقے کو شدید نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے، جبکہ ایسی صورتحال میں تاجروں کے مال و اسباب کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ بازار کے چاروں اطراف چیک پوسٹوں پر سیکیورٹی مزید سخت کی جائے اور جلوسوں و احتجاجی مظاہروں کو بازار کی جانب آنے سے روکا جائے، تاکہ بازار میں امن و امان برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ تاجروں کے کاروبار اور عوام کی آمد و رفت کو بھی محفوظ بنایا جا سکے۔ انجمن تاجران کے عہدیداران کا کہنا تھا کہ باڑہ کے عوام اور تاجر پہلے ہی مختلف مشکلات اور نقصانات سے دوچار ہیں۔ بازار کی بندش کے باعث اشیائے خورونوش اور دیگر بنیادی ضروریات کی فراہمی متاثر ہونے سے عوام کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو سکتا ہے۔ انہوں نے ڈپٹی کمشنر خیبر اور ڈی پی او خیبر سے مطالبہ کیا کہ وہ بازار کی بندش کا فوری نوٹس لیں، تاجروں کو اعتماد میں لے کر ان کے تحفظات سنیں اور باہمی مشاورت سے ایسا حل نکالیں جس سے امن و امان بھی برقرار رہے اور تاجروں و عوام کو مزید مشکلات اور معاشی نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

(مسعود شاہ)

تعلیم

گرلز کالج پر نقاب پوش افراد کا حملہ

نوشکی 27 اکتوبر کو ساڑھے بارہ بجے کے قریب تین نقاب پوش مسلح افراد انام بوستان روڈ پر واقع گرلز کالج کے گیٹ میں داخل ہو گئے۔ کالج ایڈمن کے مطابق ایک مسلح شخص گیٹ پر پہرہ دیتا رہا جبکہ دو مسلح افراد پرنسپل کے دفتر میں داخل ہوئے اور فائرنگ کر کے کالج میں نصب سی سی ٹی وی کیمرے ناکارہ بنا دیے۔ فائرنگ کے نتیجے میں گرلز کالج میں شدید خوف و ہراس پھیل گیا اور اساتذہ و طالبات خوفزدہ ہوگئیں۔ فائرنگ سے کالج کا فرنیچر بھی متاثر ہوا، جبکہ تین طالبات مریم، رخسانہ اور میمونہ زخمی ہوگئیں۔ ایڈمن آفیسر عبداللہ مینگل نے فوری طور پر زخمی طالبات کو ٹیچنگ ہسپتال منتقل کیا، جہاں ابتدائی طبی امداد کے بعد دو شدید زخمی طالبات کو مزید علاج کے لیے کوئٹہ منتقل کر دیا گیا۔ انہوں نے حکومت سے پرزور مطالبہ کیا ہے کہ واقعے کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کر کے ملزمان کو کٹھہرے میں لایا جائے۔ (محمد سعید)

سکول میں بچوں کو مشکلات کا سامنا

چمن چمن کے علاقے جدید کاریز کے مڈل سکول میں ایک ہی کمرے میں پہلی سے آٹھویں جماعت تک کے بچوں اور بچیوں کو ایک ہی استاد بیک وقت پڑھا رہا ہے، جو نہ صرف ناممکن ہے بلکہ بچوں کے مستقبل پر ایک کاری ضرب ہے۔ حیران کن امر یہ ہے کہ ضلع چمن میں کنٹریکٹ اساتذہ کی بھرتی کے تین فیز مکمل ہو چکے ہیں اور درجنوں اساتذہ بھرتی کیے گئے، لیکن اس کے باوجود جدید کاریز جیسے دور افتادہ اور پسماندہ علاقے کے مڈل سکول کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔ اساتذہ کی شدید کمی کے باعث ایک ہی کمرے میں بچوں اور بچیوں کا تعلیمی نظام مکمل طور پر درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے۔ ایک مڈل سکول میں کم از کم آٹھ سے دس اساتذہ کا ہونا لازمی ہے تاکہ ہر کلاس کو الگ استاد میسر آ سکے۔ تعلیمی معیار، ایمرجنسی اور تعلیمی اصلاحات کے دعوے صرف زبانی جمع خرچ اور فوٹو سیشن تک محدود ہیں، جبکہ زمینی صورتحال اس کے بالکل برعکس ہے۔ علاقہ مکینوں نے ڈپٹی کمشنر چمن اور سیکرٹری تعلیم بلوچستان سے فوری نوٹس لینے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ جدید کاریز مڈل سکول میں فوری طور پر مطلوبہ اساتذہ تعینات کیے جائیں اور سکول کی عمارت کو بھی بہتر بنایا جائے۔ تعلیم ہر بچے کا آئینی حق ہے، لہٰذا ہمارے بچوں کا مستقبل بچایا جائے۔

(محمد صدیق)

گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج نوشکی کی طالبات کے مسائل

نوشکی کسی بھی ملک یا قوم کی ترقی اور خوشحالی میں تعلیم کا کردار انتہائی اہم ہوتا ہے۔ بالخصوص خواتین کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیے بغیر ہم کسی صورت ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل نہیں ہو سکتے۔ ہماری آبادی کا نصف سے زائد حصہ خواتین پر مشتمل ہے، اور آدھی آبادی کو تعلیم سے محروم رکھ کر ترقی کا خواب پورا نہیں ہو سکتا۔ ایک مرد کی تعلیم ایک فرد کی تعلیم ہوتی ہے، جبکہ ایک عورت کی تعلیم پورے معاشرے کی تعلیم کہلاتی ہے — اس سے عورت کی تعلیم کی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ نوشکی کے سب سے بڑے تعلیمی ادارے "گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج" کی طالبات اور اساتذہ کرام گوناگوں مسائل سے دوچار ہیں۔ کالج میں اس وقت پروفیسر کی 1، ایسوسی ایٹ پروفیسر کی 2، اسسٹنٹ پروفیسر کی 5، لیکچرر کی 4 اور اسسٹنٹ کلرک کی 1 پوسٹ خالی ہے۔ گرلز ڈگری کالج میں 1,200 سے زائد طالبات زیرِ تعلیم ہیں۔ اساتذہ کی 12 پوسٹیں عرصہ دراز سے خالی ہونے کے باعث ہزاروں طالبات کا تعلیمی معیار متاثر ہو رہا ہے۔ جن طالبات نے تعلیمی سیشن مکمل کر لیا، انہیں اساتذہ کی کمی کے باعث عملاً عملی زندگی میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ موجودہ طالبات کا مستقبل داؤ پر لگنے سے بچانے کے لیے ترجیحی بنیادوں پر اساتذہ کی تقرریاں عمل میں لانا ضروری ہیں، جس کے لیے صوبائی حکومت، عوامی نمائندے اور محکمہ تعلیم کے اربابِ اختیار اپنا مثبت کردار ادا کریں۔ گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج مینگل انام بوستان روڈ پر واقع ہے۔ کالج میں تدریسی اوقات کے دوران شدید لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے اساتذہ اور طالبات کو سخت مشکلات کا سامنا ہے، بالخصوص سائنس کے مضامین کے پریکٹیکل کے دوران۔ یہ سلسلہ کئی برسوں سے جاری ہے، لیکن کسی عوامی نمائندے، محکمہ تعلیم کے اربابِ اختیار یا ضلعی انتظامیہ نے اس مسئلے کی جانب توجہ نہیں دی۔ علاوہ ازیں، طالبات کو غیر نصابی سرگرمیوں کے مواقع فراہم کرنے کے لیے سپورٹس کمپلیکس اور گراؤنڈ کی فراہمی بھی ضروری ہے۔ ہماری طالبات میں صلاحیتوں کی کوئی کمی نہیں، اگر انہیں مواقع ملیں تو وہ کھیلوں کے میدان میں بھی نوشکی کا نام روشن کر سکتی ہیں۔ نیز، گزشتہ تین ماہ سے نوشکی میں راستوں کی بندش کے باعث طالبات کو کالج آمد و رفت میں شدید مشکلات اور وقت کے ضیاع کا سامنا ہے۔ کالج کی طالبات نے وزیراعلیٰ بلوچستان، وزیرِ تعلیم بلوچستان، سیکرٹری کالجز اور دیگر حکام بالا سے مطالبہ کیا ہے کہ اساتذہ کی تقرری، بجلی کی بلاتعطل فراہمی، سپورٹس کی سہولیات اور دیگر بنیادی مسائل کو ترجیحی بنیادوں پر حل کیا جائے۔

(محمد سعید)

اسکولوں کے بجٹ کی غیر منصفانہ تقسیم

چمن گورنمنٹ بوائز پرائمری سکول مدرسہ بحرالعلوم جامع مسجد نور محلّہ مولوی فتح محمد چمنی، گھوڑا ہسپتال روڈ چمن کی تعلیمی کمیٹی کے وائس چیئرمین عبیداللہ کاکوزئی نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے نمائندے سے گفتگو کرتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ رواں سال ان کے سکول کا بجٹ مبینہ طور پر غیر منصفانہ تقسیم کا شکار ہوا ہے اور سکول کو صرف 22 ہزار روپے مالیت کا سامان فراہم کیا گیا ہے۔ عبیداللہ کاکوزئی کے مطابق 2019ء میں مذکورہ سکول کا بجٹ 90 ہزار روپے سے زائد تھا، تاہم وقت گزرنے کے ساتھ بجٹ میں اضافے کے بجائے کمی واقع ہوئی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ سکول انتظامیہ نے بجٹ کی تفصیلات معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں معلومات فراہم نہیں کی گئیں اور خزانہ آفس چمن سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ انہوں نے متعلقہ آڈٹ حکام سے پرزور مطالبہ کیا کہ گورنمنٹ بوائز پرائمری سکول مدرسہ بحرالعلوم کے بجٹ اور سامان کی تقسیم کے معاملے کی شفاف تحقیقات کی جائیں اور بجٹ کی فراہمی و اخراجات کی تفصیلات منظرِ عام پر لائی جائیں۔ عبیداللہ کاکوزئی نے خبردار کیا کہ اگر معاملے کی تحقیقات اور شفافیت یقینی نہ بنائی گئی تو وہ احتجاج کرنے کے ساتھ متعلقہ حکام کے خلاف قانونی کارروائی اور شکایات درج کرانے کا حق استعمال کریں گے۔

(محمد صدیق)

کم سن طالبہ اغواء

میانوالی تفصیلات کے مطابق 11 اکتوبر کو پپلاں کے محلّہ سمن آباد میں ایک بچی صبح آٹھ بجے النور ماڈل سکول گئی۔ محلّہ سمن آباد شہر کی گنجان آبادی میں واقع ہے، جہاں اسے دن دیہاڑے اغوا کر لیا گیا۔ گھر والوں کو تب پتہ چلا جب بچی سکول سے وقت پر گھر نہیں پہنچی۔ متاثرہ بچی کے والد کی مدعیت میں نامعلوم افراد کے خلاف مقدمہ درج کر لیا گیا ہے۔ سفارشات: جو بچہ سکول نہ پہنچے، سکول انتظامیہ/انچارج کی طرف سے گھر والوں کو بچے کی غیر حاضری کی کال جانی چاہیے تاکہ معلوم ہو سکے کہ بچہ سکول کیوں نہیں آیا۔ (محمد رفیق)

ایچ آر سی پی شکایات سیل

ایچ آر سی پی شکایات سیل نے 1985ء میں کام شروع کیا جب کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے میں ایسا مخصوص سیل موجود نہیں تھا جو مظلوم لوگوں کی شکایات وصول کرتا ہو۔ اس وقت سے، ایچ آر سی پی پاکستان بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ازالے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔

ایچ آر سی پی شکایت سیل کو ماہانہ سینکڑوں شکایات موصول ہوتی ہیں۔ ہم جو نہی خواتین کے خلاف تشدد، محکمہ جاتی مسائل، اقلیتوں کے حقوق، جبری شادیوں، جبری تبدیلی مذہب، جبری گمشدگیوں، سائبر جرائم اور دیگر تمام انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق شکایات وصول کرتے ہیں اور اس پر ایکشن لیتے ہیں۔ تاہم، مالی معاونت، سیاسی پناہ، جائیداد کے تنازعات یا ذاتی تنازعات سے متعلق شکایات ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

طریقہ کار

جیسے ہی ہمیں شکایات موصول ہوتی ہیں ہم متعلقہ حکام سے رابطہ کرتے ہیں اور کیس پر کارروائی کا آغاز کر دیتے ہیں۔ ہمارا بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے ساتھ ایک براہ راست ریفرل نظام موجود ہے جس کا مقصد شکایت کے فوری ازالے کو یقینی بنانا ہے۔

ہم سے رابطہ کریں

اگر آپ نے کوئی شکایت درج کرانی ہے تو ہمیں کال کر سکتے ہیں، واٹس ایپ کر سکتے ہیں، ای میل بھیج سکتے ہیں یا خط ارسال کر سکتے ہیں۔
آپ اپنے قریبی ایچ آر سی پی شکایات ڈیسک میں بذات خود جا کر شکایت رجسٹر کروا سکتے ہیں اور کمپلینٹ آفیسر سے بذات خود بات کر سکتے ہیں۔

لاہور

ایوان جمہور۔ 107 ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور 54600
فون : +92 42 3586 4994, 3583 8341, 3586 5969
ای۔میل : hrcp@hrcp-web.org
ویب سائیٹ : www.hrcp-web.org
مرکز شکایات سیل
فون : +92 042 3584 5969
موبائل : + 92 0333 200 6800
ای میل: complaints@hrcp-web.org

کراچی

یونٹ نمبر 08، فلور 1
سٹیٹ لائف بلڈنگ نمبر 5 (الاکو ہاؤس)
عبداللہ ہارون روڈ
صدر، کراچی۔ 74400
فون : +92 21 3563 7131, 3563 7132
شکایات سیل (موبائل) : +92 315 111 6287
ای میل : karachi@hrcp-web.org

پشاور

TF-303، ڈینز پلازہ،
بالمقابل سٹیٹ بینک آف پاکستان، صدر، پشاور
فون : +92 091 527 6909
موبائل: 0318 950 0640
شکایت سیل (موبائل) : +92 0318 950 0640
ای میل peshawar@hrcp-web.org

اسلام آباد

آفس 1-B، فلور 2
بلاک ڈی-12، (اوپر فیصل بینک)
جی 8، مرکز، اسلام آباد
فون : +92 51 835 1127
شکایات سیل (موبائل) : +92 333 569 4773
ای میل : islamabad@hrcp-web.org

کوئٹہ

فلیٹ نمبر C-6
کبیر بلڈنگ
ایم۔اے جناح روڈ، کوئٹہ
فون : +92 81 282 7869
شکایات سیل (موبائل) +92 306 294 6125
ای میل : quetta@hrcp-web.org

حیدرآباد

306- فائزہ آرکیڈ، (لوفٹ اینڈ میزانائن فلور)
نزد مسجد حاجی شاہ بخاری درگاہ
صدر کنٹونمنٹ، حیدرآباد
فون : +92 22 278 3688, 720 770
فیکس : +92 22 278 4645
شکایات سیل (موبائل) : +92 310 339 2222
ای میل : hyderabad@hrcp-web.org

ملتان

2511/5A ابدالی کالونی
نزد بریٹین سکول
ملتان
فون : +92 61 451 7217
شکایات سیل (موبائل) : +92 331 665 5529
ای میل : multan@hrcp-web.org

گلگت

آفس نمبر 8-9، رانگ ئیل پلازہ
جماعت خانہ روڈ، ذوالفقار آباد کالونی،
جتیال، گلگت
موبائل : +92 0344 547 5553
شکایات سیل (موبائل) : +92 355 454 1088
ای میل : gilgit@hrcp-web.org

تربت/مکران

پرواز ہاؤس،
بالمقابل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی
پسنی روڈ، تربت، کیچ
فون : +92 852 413 365
شکایات سیل (موبائل) : +92 323 234 2406
ای میل : turbat@hrcp-web.org

Human Rights Commission of Pakistan
جہدِ حق
پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق جہدِ حق کے تمام قارئین کو آگاہ کرنا چاہتا ہے کہ
یہ رسالہ مفت ہے۔ قارئین کو کسی قسم کی قیمت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1: تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ -2: ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلی کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3: ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4: کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5: کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6: ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8: ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9: کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10: ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11: (1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12: کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط و کتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13: (1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14: (1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15: (1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16: (1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17: (1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18: ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتماعی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19: ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20: (1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ - 21: (1) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22: معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23: (1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل و عیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24: ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25: (1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26: (1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27: (1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ - 28: ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29: (1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ - 30: اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
"ایوان جمہور" 107۔ ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35864994-35838341 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15
کمپوز: جمال احمد سید رضا شاہ